

27-61

# کتابتِ حیات

سید غلام محبتی



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ریت سی بھر گئی ہے آنکھوں میں  
دل کا دریا اتر گیا شاید

ڈاکٹر شاہین مفتی

# عکس جنوں



سید غلام محبتی

## جملہ حقوق محفوظ

84262	کتاب..... عکس جنوں
	شاعر..... سید غلام مجتبیٰ
	نظر ثانی..... غضنفر جاوید چشتی
	بار اول..... اپریل ۲۰۱۱ء
	کمپیوٹر کمپوزنگ..... سید ذیشان حیدر
03216207430	ٹائٹل..... سید غلام مجتبیٰ
	قیمت..... ۳۰۰ روپے
	مطبع..... سادات پبلی کیشنز، گجرات

ملنے کا پتہ

سادات موبائلز، شاہجہانگیر روڈ، متصل جامع مسجد عثمان، گجرات

رابطہ: 0333-8485868

## انتساب

اپنے بیٹوں اور بیٹیوں

ارسلان حیدر، ذیشان حیدر، نعمان حیدر

فائزہ کنول، ظن بتول، دُر شہوار

اور

## پنجاب کالج

کے لاتعداد طلبا اور طالبات

کے نام

جو میرے

بیٹوں اور بیٹیوں ہی کی حیثیت رکھتے ہیں

ہوائیں گہ رہی ہیں، بیج غم کا  
 وہ میری نکشتِ جاں میں بو چکا ہے  
 اُسے تو ساتھ چلنا تھا، یہ طے تھا  
 نہ جانے رُک وہ کیوں رہو چکا ہے

غزالہ شاہین غزل



## فہرست

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
11	سید غلام مجتبیٰ	۱۔ وجہ جنوں
14	پروفیسر وسیم بیگ مرزا	۲۔ عکس جنوں میں عکس کائنات
23	غزالہ شاہین غزل	۳۔ کرب جنوں
<b>باب مدحت</b>		
28		۴۔ حمد باری تعالیٰ
30		۵۔ نعت رسول ﷺ
32		۶۔ سلام بحضور حضرت امام حسینؑ
<b>بساط سخن</b>		
35		۷۔ حصار کوہ میں تھی وہ مگر اکیلی تھی
37		۸۔ جنت سے ہو کے آئی ہے محویت خیال
39		۹۔ دیار علم کو نابود کر دیا گیا ہے
41		۱۰۔ جہاں بھی بات دانائی کی ہوگی
43		۱۱۔ شبِ درازِ محبت سے ہار جاؤں گا
45		۱۲۔ وہ میرے نام کوئی انتساب کیا کرتا
47		۱۳۔ کسی کے رازِ نہاں میں مجھے تلاش کرو
48		۱۴۔ وہ اپنے شوق کا یوں اعتراف کرتے ہیں
50		۱۵۔ یاد آتے ہیں سارے دن
52		۱۶۔ دشت و صحرا میں نہیں نور کے بالوں کی تلاش
54		۱۷۔ یہ زندگی جو مینی ہے وبال کچھ نہ کہوں
57		۱۸۔ میں چاہتا ہوں میری طلب بے مثال ہو
58		۱۹۔ نشانِ عجزِ جہیں پر تلاش کرنا ہے
60		۲۰۔ گو تیرے بناد ہر میں تنہائی بہت تھی
62		۲۱۔ محبت میں کنارہ چاہتی ہیں
64		۲۲۔ پھر اس کے بعد وہ چاہے گلے لگائے مجھے
66		۲۳۔ ذہن کو یاد سے تیری گل و گلزار کیا
67		۲۴۔ ہوا جو میں تباہ ہوں

- 69 - ۲۵ ترخی اناؤں کو مطلوب ہونے والا ہوں
- 71 - ۲۶ مرے خیال کو غم کی اجازتیں دے جا
- 73 - ۲۷ خوشی کی موج، وفا، تیرے نام کرتا ہوں
- 75 - ۲۸ بڑھ گئی ہے اور میری جستجوئے انقلاب
- 77 - ۲۹ گر رہی ہے جھاگ اڑاتی آبتار زندگی
- 79 - ۳۰ چلتے ہیں جہاں بھر میں بھی پورے وہ قد سے
- 81 - ۳۱ تجھے تیری نظر سے مانگتا ہوں
- 83 - ۳۲ رُخ مری جانب سے اپنا پھیر کر
- 84 - ۳۳ منافقت سے نہیں جسم و جاں جو صاف ابھی
- 86 - ۳۴ چشمِ کرم جو داہوئی جلوہ گہ ظہور سے
- 88 - ۳۵ جادۂ جبر کا رہوار گنا جاتا ہے
- 89 - ۲۶ ترے جو بھولا ہوا شخص دھیان میں آیا
- 90 - ۳۷ اشکوں سے غم کی آگ بجھانے کا حکم تھا
- 92 - ۳۸ رہو اور جنوں کی شان دیکھو
- 94 - ۳۹ دل کا ہر زخم وہ آشاؤں میں رکھ دیتا ہے
- 96 - ۴۰ روشنی فرش سے وہ عرش تک دیکھتا ہے
- 97 - ۴۱ میں چپ ہوں مرا خیال چپ ہے
- 99 - ۴۲ جب بھی پھیلی کبھی صدائے جنوں
- 101 - ۴۳ تحفہ ہائے وفادے، کیا کیا
- 103 - ۴۴ دائرے جتنے بھی ممکن ہوں مٹاتے جانا
- 104 - ۴۵ رنج و آلام کو، آفات کو بھایا ہوا ہے
- 106 - ۴۶ وہ تو سورج ہے جلانے گا سیاہی دے گا
- 108 - ۴۷ اپنے دعوے پہ دلیلوں کے نہ انبار لگا
- 109 - ۴۸ سینہ مرے احساس کا شق ہونے لگا ہے
- 110 - ۴۹ انا میں وار کے بھی خار بے حضور ہوا
- 112 - ۵۰ آسکو تو آ جاؤ، ہم اداس بیٹھے ہیں
- 114 - ۵۱ اوج ہنر (قطعہ)
- 115 - ۵۲ قطعات
- 116 - ۵۳ ہاتھوں پہ اس کے ابھر نقش جفا بڑا سا
- 118 - ۵۴ اوروں پر تو اکثر ہنستے رہتے ہیں

- 119 - ۵۵ پھیل جائے گی زمیں پراک روائے روشنی
- 121 - ۵۶ وہ مجھے ملنے سے پہلے نقشِ زیبائی نہ تھا
- 122 - ۵۷ لے گیا ڈریقیں نقشِ گماں چھوڑ گیا
- 124 - ۵۸ زخم میں اپنے امیں خوائے بغاوت کا مگر
- 125 - ۵۹ ترے حصول کا ایقان حرفِ راز ہوا
- 126 - ۶۰ غم کی راہوں میں جو دل دار نہیں ہو سکتا
- 128 - ۶۱ میرے سینے میں ہیں جو سارے الم پتھر کے
- 130 - ۶۲ زخم سے درد جدا، درد سے دل دار جدا
- 132 - ۶۳ دل میرا ترے دم ہی سے بت خانہ جاں تھا
- 133 - ۶۴ قصہ درد کے گھسان سے ڈرا آتا ہے
- 135 - ۶۵ ہر رنگ میں اس کو دیکھتا ہوں
- 136 - ۶۶ یہ خواہش بے ربط نہیں تشنہ لبی ہے
- 138 - ۶۷ اک اشارہ سا کہانی کے جو عنوان میں تھا
- 139 - ۶۸ لاکھ مشکل ہو رو اور کھنا دفاع آرزو
- 140 - ۶۹ پہلے ہی جرم پہ جنت سے نکالا ہوا دل
- 142 - ۷۰ چلی ہے جب سے مرے شہر میں ہوائے غزل
- 144 - ۷۱ زندگی کالی گھٹا تھا پہلے
- 145 - ۷۲ تمہیں ہے یاد مرے ساتھ ابتدا ہونا
- 148 - ۷۳ وہ ایک شخص کہ جس سے کنارہ کرنا تھا
- 149 - ۷۴ پتواروں کو زخمی ہاتھ چلاتے ہیں
- 150 - ۷۵ اک تیری دید سے مری روٹھی نظر بہل گئی
- 152 - ۷۶ خزاں سے بڑھ کے فسر وہ ہزار گزری ہے
- 154 - ۷۷ ہوا ہو کر ترے گھر سے جو دیوانی نہیں جاتی
- 155 - ۷۸ زبان کو حرف، ہر عام کرنے والا ہوں
- 157 - ۷۹ تجھ سے مل کر آتا ہوں
- 159 - ۸۰ طوق دانائی کے اس شخص نے پہنے ہوئے ہیں
- 160 - ۸۱ کیسا ہے وہ پیکر کہ یقیں میں نہ گماں میں
- 161 - ۸۲ لفظوں کی سلسبیل سے معنی کا جبر توڑ دے
- 163 - ۸۳ زندگی اس طرح گزار رہی ہے

- 165 - ۸۴ - ٹوٹتا ہے جب کبھی میرا خمار اضطراب  
167 - ۸۵ - میری قسمت حویلیوں جیسی  
169 - ۸۶ - تو دیکھا موت کو بھی گلہشاں ہوتے ہوئے

## بزم خیال

- 171 - ۸۷ - نقش فریادی  
173 - ۸۸ - تلاش بہار  
175 - ۸۹ - اجالا  
178 - ۹۰ - مجھے بس یاد ہے اتنا  
181 - ۹۱ - سچائی  
184 - ۹۲ - فانوس  
185 - ۹۳ - وقت  
186 - ۹۴ - دائرہ  
188 - ۹۵ - لکیر  
190 - ۹۶ - پنجاب کالج، گجرات  
193 - ۹۷ - اے ارض وطن  
194 - ۹۸ - خود انحصاری

## حرف تحسین

- 196 - ۹۹ - باغ و بہار علم  
199 - ۱۰۰ - تقاخر محمود گوندل  
201 - ۱۰۱ - پروفیسر وسیم بیگ مرزا

## پنجابی کلام

- 202 - ۱۰۲ - پنجابی نعت  
203 - ۱۰۳ - چھڈ کے پیار دا چک نہیں جانا  
205 - ۱۰۴ - عشق چہ ایہہ وی کرنا پیندا  
207 - ۱۰۵ - وقت نوں بیٹھا بھورا ہووے

## وجہ جنوں

سید غلام مجتبیٰ

”عکس جنوں“ تکمیل کے تمام مراحل طے کر چکی ہے۔ میں نے اپنے دل کی بہت سی باتیں اس کتاب میں بکھرے ہوئے سینکڑوں اشعار میں رقم کر دی ہیں لیکن مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں نے کچھ بھی نہیں لکھا۔۔۔ میں شاید ایک فی صد بھی اپنے دل کا احوال بیان نہیں کر پایا۔ ان صفحات میں بہت سی باتیں کرنا چاہتا تھا لیکن سب بھول گیا ہوں۔ جو کہنا چاہتا ہوں وہ نوکِ قلم پر آنے سے گریزاں ہے اور جو نہیں کہنا چاہتا وہ بے ارادہ لفظوں کی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ میں نے درجنوں کتابوں کے دیباچے لکھے۔۔۔ دوستوں اور شاگردوں کی بہت سی کتابوں پر اور ان کی شاعری پر مضامین اور مقالات لکھے لیکن کبھی اتنی بے بسی محسوس نہیں ہوئی جتنی اس وقت محسوس کر رہا ہوں جب اپنی کتاب سامنے ہے اور کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کہنا چاہ رہا ہوں اور کیا لکھتا جا رہا ہوں۔ کچھ غالب جیسی کیفیت مجھ پر بھی طاری ہو رہی ہے۔ غالب نے بھی شاید ایسی ہی کسی کیفیت میں فرمایا تھا۔

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ  
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

ایک وجہ جنوں شاید یہ بھی ہو سکتی ہے کہ میں ہر اس شخص پر بغیر سوچے سمجھے اعتماد کرنے لگتا ہوں جو مجھ سے ذرا سا بھی خلوص کا مظاہرہ کرتا ہے لیکن ہوتا یہ ہے کہ جب میں اس شخص سے محبت کرنے لگتا ہوں تو وہ عین اُس وقت مجھے دھوکا دے جاتا ہے جب مجھے اس کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔ آج جب کہ میں اپنی زندگی کی ترہن بہاریں دیکھ چکا ہوں، مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں نے صرف خزائیں ہی دیکھی ہیں بہار پتا نہیں کس کے لیے آتی ہے۔۔۔ کیوں آتی ہے اور کیسے آتی ہے۔۔۔ یقین سے کچھ کہنا مشکل ہے۔ راہِ محبت میں اتنے دھوکے کھائے ہیں کہ اب اگر کوئی محبت، خلوص یا پیار کی بات کرتا ہے تو طبیعت میں زہر سا بھر جاتا ہے۔۔۔ انسان اور محبت؟ یقیناً اس کے پیچھے کوئی مفاد ہوگا۔۔۔ میں شلید پھر پڑی سے اتر گیا ہوں۔ میرے تو بہت سے اچھے اچھے پیار کرنے والے دوست ہیں۔۔۔ شاید ہزاروں۔۔۔ اور پھر۔۔۔ میرے تو ہزاروں شاگرد بھی ہیں جو یقیناً مجھ سے بہت عقیدت بھی رکھتے ہوں گے۔۔۔ شاید بہت سے مجھ سے محبت بھی کرتے ہوں۔۔۔ ایک بار پھر یقین سے کچھ کہنا بہت مشکل ہے۔ لیکن میرے ايقان کی سوئی کہیں جا کر ٹک گئی ہے جیسے گھڑی کے سیل کمزور ہو جائیں تو اس کی سوئی رک جاتی ہے۔۔۔ کیا انسان کے بھی سیل ہوتے ہیں؟ پہلے میرا خیال تھا بلکہ یقین تھا کہ عشق، محبت، پیار، الفت، خلوص، مروت اور حسن سلوک وغیرہ کی قوت سے انسان مشکل سے مشکل منزلوں کی طرف بڑھنے کی صلاحیت حاصل کر لیتا ہے۔۔۔ لیکن۔۔۔ یہ خیال محض خیال ہی ثابت ہوا۔ آج کے زمانے میں ان جذبوں کی کوئی وقعت نہیں۔ آج صرف دولت کی بیٹری سے انسانوں کو چلایا جاسکتا ہے۔۔۔ ان سے ہر کام لیا جاسکتا ہے۔ یہاں تک کہ دولت، قوت۔۔۔ خصوصاً اسلحے کی قوت اور اقتدار کی قوت سے انسانوں کو محبت کرنے پر بھی مجبور کیا جاسکتا ہے۔ ذہنی رو

پھر بہک گئی ہے میں شاید پھر الٹی سیدھی باتیں کرنے لگا ہوں۔۔۔ بغیر سوچے سمجھے۔ اس سے کسی دوست کی دل آزاری بھی تو ہو سکتی ہے۔ میرے پاس تو دولت بھی نہیں کہ جس کے محض پاس ہونے ہی سے دوست ناراض ہونے سے باز رہتے ہیں۔۔۔ پتا نہیں کیوں۔۔۔ یہ راز ہمیشہ راز ہی رہے گا۔ میری بے لوث محبت، میرا بے پایاں خلوص، میرا کسی اجرت، کسی لالچ، کسی غرض کے بغیر جذبہ خدمت۔۔۔ اتنا ناکارہ، اتنا کمزور اور اتنا بے بس ہے کہ مجھے زندگی میں ایک۔۔۔ صرف ایک سچا دوست بھی نہیں دے سکا۔ شاید یہی وجہ جنوں ہے اور اسی کا عکس جنوں آپ اس کتاب میں بھی دیکھ سکیں گے۔

میں زیادہ دیر آپ کے اور اپنی جنوں خیز شاعری کے درمیان حائل نہیں رہنا چاہتا۔ اگر اتفاق سے کوئی شعر پسند آ جائے تو میرے لیے دعائے خیر فرما دیجیے گا۔ اگر میرے اشعار میں غلطیاں نظر آئیں تو درگزر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، ان پر کھل کر تنقید کیجئے بلکہ ممکن ہو تو دیگر احباب کو بھی بتائیے اور اگر توفیق ہو تو مجھے بھی لکھ بھیجئے، میں ہرگز برا نہیں مانوں گا۔

رُوٹھی ہوئی محبتوں کا طالب

احقر

سید غلام مجتبیٰ

شعبہ اردو، پنجاب کالج، گجرات

## عکس جنوں میں عکس کائنات

پروفیسر وسیم بیگ مرزا

سید غلام مجتبیٰ فنی نکتہ نظر سے بھی اور متخیلہ کی زرخیزی کے حوالے سے مجھی ایک پختہ فکر اور صاحب ادراک سخن ساز ہیں۔ عکس جنوں کے شروع ہی میں وہ اپنی شاعری کے حوالے سے اپنے ابتدائی قطعہ میں فرماتے ہیں۔

ہے عکس جنوں شوق کا بہتا ہوا دریا  
غزلیں ہیں مری اس کی مچلتی ہوئی لہریں

ان کی شاعری میں یقیناً بے ساختہ سلاست اور روانی کی جھلکیاں جگہ جگہ نغمہ خواں ہوتی نظر آتی ہیں جو ان کے وسیع مطالعہ اور شوق سخن کی ترجمانی کرتی ہیں۔ ایسی روانی ہمیں خواجہ میر درد اور حکیم مومن خاں مومن کے ہاں ملتی ہے جو دبستان دلی کے کافی حد تک ترجمان تھے مگر الفاظ کی چستی میں جو مہارت اور گاریگری ہمیں شاہ صاحب کے ہاں ملتی ہے وہ انھیں دبستان لکھنؤ کی برجستگی کلام تک لے جاتی ہے۔

ظاہر ہے شاہ صاحب کی سرشت میں کائناتی رفعتوں اور وسعتوں کے حوالے سے اسلامی تعلیمات سے وابستگی بھی ان سے ارفع اظہار کا تقاضا کرتی ہے جسے وہ



اپنے بے ساختہ اسلوب سے یوں عبارت کرتے ہیں۔ بارگاہِ خالق کائنات میں اس کی خلاقیتوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

کیوں نہ میں جھک جاؤں اس کی بارگاہِ عدل میں

ایک ذرے میں جو اک پوری دکھائے کائنات

بارگاہِ رسالت میں گل ہائے عقیدت پیش کرتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ

کے علم و عرفان کو اچھوتے انداز میں نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

دکھائی روشنی فطرت کے علم و عرفان کی

سو میری شامِ جنوں کو سحر کیا اُس نے

ظاہر ہے اسلامی تعلیمات چونکہ دینِ فطرت کے حوالہ سے زیادہ ادراک کی

سہولت میں ممتاز سمجھی جاتی ہیں اس لیے شاہ صاحب نے فطرت کے علم و عرفان کی

بات بھی ایک بے مثل وجدانی کیفیت میں کی ہے جو ان کی حُبِ رسول ﷺ سے

اعلیٰ وابستگی کا واضح ثبوت ہے کیونکہ علم و عرفان کی بات ان کے ایقان اور وجدان

ہی سے عبارت ہے۔

استاد مرزا داغ اور انشا اللہ خاں انشا کے ہاں محاوروں کا استعمال اساتذہ کے

انداز میں کیا گیا ہے۔ اردو ادب کی تدریس کے حوالہ سے سید غلام مجتبیٰ بھی اعلیٰ

کلاسوں کو لٹریچر پڑھانے کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں اس لیے ان کے کلام میں بھی ہمیں

محاورات و محاکات اور اسلامی فلسفہ کے متعلق دونوں کائناتی پہلوؤں یعنی

Microcosom اور Macrocosom کی خوبصورت ترجمانی ملتی

ہے۔

جب تک نہ امر کن اسے رپ جلیل دے

بھٹکے گی کائنات میں ذریت خیال

اور فلسفہ ثنویت کے حوالے سے یہ شعر دریا کو کوزے میں بند کرنے کی بہترین کاوش ہے۔ یہ شعر دیکھنے میں جتنا سہل نظر آتا ہے سمجھنے میں اتنا ہی مشکل ہے۔

تیرا خیال باعث تسکین جسم و جاں

تیرا وجود باعث تقویت خیال

بلاشبہ آج کل کا دور Conflicting Ideologies کا دور ہے۔

تیسری دنیا میں عمومی طور پر اور ہمارے ملک میں خاص طور پر انتشار ہے جو سیاست میں، معیشت میں، اخلاقیات میں، تمدن میں اور کلچر کے علاوہ روحانیت میں بھی دیکھا جا سکتا ہے اور یہ انتشار قدیم Testament اور نئی Testament کے علاوہ قدیم داستانوں میں بھی پایا جاتا ہے جیسے فرعون اور موسیٰ علیہ السلام، گیلیلیو (Galileo) اور مذہبی عدالت اور پوپ اور ایسے بے شمار حوالے ملتے ہیں جہاں سامراجیت مختلف شکلوں میں موجود ہے اور اس کے منطقی نتیجے میں انتشار پیدا ہوتا چلا آیا ہے۔ شاہ صاحب کے ہاں اس کی جھلک بڑے واضح الفاظ میں ملتی ہے۔ دو شعر ملاحظہ فرمائیں۔

جو بے شعور تھے سر پر بٹھا دیے گئے ہیں

خرد کو وحشتِ نمرود کر دیا گیا ہے

فنونِ علم و ادب طاق پر رکھے ہوئے ہیں

ہوس کو مادہٴ افزود کر دیا گیا ہے

سید غلام مجتبیٰ کے ہاں ہمیں زندگی کے نشیب و فراز سے منسلک کئی تلخ نفسیاتی اور مجلسی پہلوؤں کی عکاسی بھی ملتی ہے اور رنگِ تغزل بھی۔

میں فتح یاب تجھے پا کے ہو گیا ہوں مگر  
تری انا کی عدالت سے ہار جاؤں گا  
فصاحتوں کے سبھی پیچ و خم دکھا کر بھی  
تری ادا کی بلاغت سے ہار جاؤں گا

شاہ صاحب نے Diction کے حوالہ سے ایک ایسی کیفیت کو متنوع معانی پہنائے ہیں جس سے سخن فہمی، کیف و سرور تک جا پہنچتی ہے اور وہ لفظ ”جنوں“ سے عیاں ہے مثلاً۔

مجھے تو اُس کی جنوں خیزیوں سے مطلب تھا  
میں اُس کے علم کا پھر احتساب کیا کرتا  
وہ ایک لفظ میں اُس نے سکھا دیا مجھ کو  
پھر اُس سے لے کے جنوں کی کتاب کیا کرتا

اور اسی طرح۔

کبھی وفا کے تقاضوں سے کھاؤں گا میں شکت  
کبھی جنوں کی قیادت سے ہار جاؤں گا

☆

ہمت کرو تو آج بھی، اب بھی دکھائے گی  
نقشے جنوں شوق کے حریت خیال



ٹھہر گئی ہے وہ آ کر جنوں کے رستے میں  
خرد کو جو غم ارتعاش کرنا ہے



آسے وفا کی طلب ہے مجھے جنوں کی تلاش  
بنے وہ شوق کا پیکر خرید لائے مجھے



مرے خیال کو غم کی اجاوتیں دے جا  
مرے نہو کو جنوں کی تمازتیں دے جا  
محاورے کو بالکل نئے اور نرالے انداز میں نہایت مہارت کے ساتھ باندھنا  
کچھ سید غلام مجتبیٰ ہی کا حصہ ہے۔

میں ساری رات جماتا رہا وہاں سرسوں  
جو صبح دیکھا تو خالی مری ہتھیلی تھی  
دبستان لکھنؤ کے حوالوں سے ضرب الامثال کی انوکھی بندش ملاحظہ  
فرمائیں۔

کبھی وہ ہوتے نہیں ہیں کسی کے بھی محتاج  
جو خرچ اپنا بقدر کفاف کرتے ہیں  
عالمگیریت یعنی Universalism کی جھلک ملاحظہ فرماتے ہوئے

مزدوروں کے عالمی دن کے حوالے سے یوم مئی کی تجدید دیکھیں۔

محنت کش کے حصے میں

لمبی راتیں کارے دن

اور Optimism دیکھیں۔

رقصِ ابلیس میں ڈوبا ہے مرا شہر تمام

پھر بھی ہے تجھ کو یہاں زہرہ جمالوں کی تلاش

شاہ صاحب نے آزاد نظم کے حوالے سے اپنی نظم ”سچائی“ میں حسن

روایت اور اعلیٰ اقدار کی بڑی ندرت سے عکس بندی کی ہے۔ سچائی کا نزول جس

انداز میں رگ و پے میں سرایت کرتا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

محبت آگہی بن کر

مری رگ رگ میں اتری ہے

کبھی یہ کہکشاں سے آنے والی روشنی بن کر

پتہ دیتی ہے منزل کا

کہ جن سے

حکم کن سے

بننے رہتے ہیں

نئے سورج

نئے تارے

مجھے بھی صرف چلنا ہے

اسی تابندہ رستے پر

شاہ صاحب نے اس عالمگیر قدر کو کائناتی وسعتوں کے حوالے سے قرآنی تعلیمات کے ناطے زیادہ بـ بلیغ بنانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ سید مجتبیٰ کا وسعت مطالعہ اسے کبھی تو غالب کے اور کبھی فیض احمد فیض سے ہم آہنگ کرتا دکھائی دیتا ہے۔ مثلاً

غزل لکھی ہے شبِ غم گزارنے کو پر اب  
 سحر قریب ہے فکرِ معاش کرنا ہے  
 چھوٹی بحر کا کمال اور بلاغت سے لطف اندوز ہونے کے لیے اس پہلو سے  
 بھی لطف اندوز ہونے کے لیے سامان کافی ہے۔  
 میں پہلے مجتبیٰ تھا  
 مگر اب سنگِ راہ ہوں  
 اور تخلص سے بھی محظوظ ہونے کا سامان موجود ہے۔  
 میں مجتبیٰ ہوں مجھے مان یہ بھی رکھنا ہے  
 خلوص و صدق و صفا تیرے نام کرتا ہوں  
 انسانیت کے دم سے مشرقی تہذیب کے پس منظر میں سپردگی اور وفا کی جلوہ  
 گریاں ملاحظہ ہوں۔

تو اپنے حصے کی تاریکیاں مجھے دے دے

میں دل کی ساری ضیا تیرے نام کرتا ہوں

شاہ صاحب غالب اور علامہ اقبال سے یقیناً متاثر ہیں لیکن شعر کہتے وقت

اپنی انفرادیت کو بھی قائم رکھتے ہیں اور استاد شعرا کے اثرات کو اپنی ذاتی سوچ پر  
 حاوی نہیں ہونے دیتے، یوں ان کی اپنی انفرادیت بہر صورت قائم رہتی ہے۔  
 ڈالتا ہے کہکشاؤں پر کمندیں بھی وہی  
 بہہ رہی ہو جس کے دل میں ایک جوئے انقلاب



نقوشِ پا تمہاری چاہتوں کے  
 جنوں کی رہگزر سے مانگتا ہوں  
 سید غلام مجتبیٰ کے ہاں جنوں کا وہی مقام ہے جو انسان کو تکمیل آگہی کی  
 طرف لے جاتے ہوئے رفعتِ ارفع کا مقام عطا کرتا ہے۔ موجودہ زندگی میں  
 ہمارے ہاں معاشرتی اور اخلاقی اقدار کا زوال زندگی کے ہر شعبہ میں ملتا ہے۔ قول  
 اور فعل کے اس تضاد کو وہ اپنے نشترِ قلم کے ذریعے اس طرح بیان کرتے ہیں۔  
 جو نہیں جانتا کردار کے معنی کیا ہیں  
 وہ بھی اب صاحبِ کردار گنا جاتا ہے  
 اور پھر سرمایہ دارانہ نظام کی چیرہ دستیوں اور سفاکیوں کیا خوب عبارت کی  
 ہیں۔

اس کی دو وقت کی روٹی پہ ہیں نظریں کس کی  
 وہ جو مزدور پسینے میں نہایا ہوا ہے  
 انگریزی ادب میں William Blake کو رومانوی دور کا پیش رو کہا  
 جاتا ہے۔ یعنی Blake بذاتِ خود ایک عظیم شاعر تھا اور فطرت کا پرستار تھا۔ یہی

خوبی William Wordsworth اور John Keats میں بھی۔  
Blake نے اپنی مشہور نظم A Poison Tree میں غصے اور غم کو دل میں  
پالنے سے اختلاف کیا ہے۔ وہ Catharsis چاہتا ہے مگر سید غلام مجتبیٰ کے بے  
ساختہ اظہار کا تقابلی جائزہ لیں تو وہ ان عظیم سخن وروں سے کہیں آگے دکھائی دیتے  
ہیں۔

دل کی دل میں رکھنے سے غم کا گھاؤ بڑھتا ہے  
کچھ نہ کچھ تو فرماؤ، ہم اداس بیٹھے ہیں  
اور پھر اپنے تخلص سے بھرپور بلاغت کا اظہار تمام تر فصاحت سے پیش  
کرتے ہیں جو انھی کا اندازِ مفرجہ ہے۔  
ہوا ہے ذکر مرے مجتبیٰ کی رحمت کا  
مری غزل کا ہر اک حرف، حرف نور ہوا  
بلاشبہ یہ شعر فنکارانہ کلاسیکیت کا فصاحتِ بیان، عقیدتِ اظہار اور ادائیگی  
حسن کی ایک ارفع مثال ہے۔

پروفیسر وسیم بیگ مرزا

07.03.2008

84262



## کرب جنوں

غزالہ شاہین غزل

زندگی کے سفر میں انسان کو کئی لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوتا ہے، کچھ ہوا کے جھونکے کے مانند گزر جاتے ہیں جبکہ۔۔۔ کچھ اپنے نمایاں اوصاف اور خوش اخلاقی سے دل میں جگہ پالیتے ہیں۔

دنیاۓ ادب میں قدم رکھا تو پروفیسر شریف کنجاہی (مرحوم) جیسے شفیق انسان سے فیض یاب ہونے کا شرف حاصل ہوا اور اسی سفر میں انگریزی ادب کے سکالر اور گجرات کی بہت بڑی علمی شخصیت پروفیسر وسیم بیگ مرزا صاحب سے شرفِ ملاقات ہوتا رہا۔ ان دونوں بزرگ شخصیات کے ساتھ نشست و برخاست میں میں نے بہت کچھ سیکھا اور مجھے اس بات پر فخر ہے کہ مرزا صاحب نے میری تینوں کاوشوں ”سہانے گھاؤ“، ”کربِ نشاط“ اور ”جگ دیاں ریتاں“ پر اپنی مثبت رائے سے نوازا اور میری ہمت بڑھائی۔۔۔ لیکن۔۔۔ اس سے کہیں زیادہ فخر مجھے جناب سید غلام مجتبیٰ صاحب کی شاگردی ہونے پر ہے جنہوں نے میری ٹوٹی پھوٹی شاعری کو اپنے ماہر قلم کی نوک سے اس قدر نکھار دیا اور مجھے اس قابل کیا کہ آج میں اپنے ہی استاد کی شاعری پر کچھ کہنے کی جسارت کر رہی ہوں۔ بڑا ہی مشکل ہو جاتا ہے جب کوئی شاگرد اپنے استاد کے فن پر تبصرہ کرے۔

شاہ صاحب انتہائی پختہ کار شاعر، ماہر نقاد اور بہترین استاد کی تمام خوبیوں

سے متصف لیکن۔۔۔ ایک قناعت پسند انسان ہیں۔ وہ زمانے کے نشیب و فراز کو اچھی طرح سمجھنے کے باوجود ترقی کے جھوٹے زینے پر قدم رکھنے کو ہرگز تیار نہیں کہ اس کے لیے جن ہتھکنڈوں کی ضرورت ہے وہ ان کا استعمال نہیں جانتے۔ بہر حال ایک شاگرد ہونے کے ناطے میں ان کو جہاں تک سمجھ سکی ہوں، وہ انتہائی سادہ، علم دوست اور مخلص انسان ہیں۔ انھیں اپنے مضامین پر مکمل دسترس ہے۔ شاہ صاحب نے مجھے شاعری کے پیچ و خم سکھانے میں کافی محنت کی اور بڑے اچھے انداز میں بڑی سے بڑی بات کامل مہارت اور سادگی سے سکھادی۔

آپ کی شاعری کی نئی کتاب ”عکس جنوں“ کا مسودہ میرے ہاتھ میں ہے۔ سب سے پہلے حمدِ باری تعالیٰ کا ہر شعر دل کو چھوتا ہوا اور اپنے اندر بے پناہ بلاغت سمیٹے ہوئے نظر آتا ہے۔ ملاحظہ کیجیے اس خدائے وحدہ لا شریک کی قدرت کے اقرار کا بے ساختہ انداز۔

کیوں نہ میں جھکت جاؤں اس کی بارگاہِ عدل میں  
ایک ذرے میں جو ایک پوری دکھائے کائنات  
بے شک اللہ تبارک تعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے  
رحمت بنا کر بھیجا۔ محترم شاہ صاحب نے کس خوبصورتی کے ساتھ آپ ﷺ کے  
رحمتاً للعلمین ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

نوید بخش دی انسانیت کو رحمت کی  
سبھی خطاؤں سے صرف نظر کیا اس نے

نفسا نفسی کے اس دور میں جہاں خلوص و وفا ناپید ہوتے نظر آتے ہیں وہاں

علم کی ناقدر شناسی بھی اس دور کا ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ مادہ پرست لوگوں کے لیے سید غلام مجتبیٰ کی یہ غزل ایک تازیانہ سے کم نہیں۔

جو بے شعور تھے سر پر بٹھا دیے گئے ہیں  
خرد کو وحشتِ نمرود کر دیا گیا ہے  
اور اسی خیال کو اس شعر نے مزید نکھار دیا۔

فنونِ علم و ادب طاق پر رکھے ہوئے ہیں  
ہوس کو مادہٴ افزود کر دیا گیا ہے  
محبوب کے ہاتھوں فتح و شکست کا انوکھا، عاجزانہ اور انتہائی والہانہ انداز۔  
میں فتح یاب تجھے پا کے ہو گیا ہوں مگر  
تری انا کی عدالت سے ہار جاؤں گا  
شکست ہی ہے مقدر تو مجتبیٰ! سن لو  
اُسی کے پیار سے، چاہت سے ہار جاؤں گا

شاہ صاحب کے محبوب کو جو غالباً محلوں کے خواب دیکھنے کا عادی اور رسم دنیا نبھانے کو رسمِ محبت پر ترجیح دینے پر یقین رکھتا تھا، ان کا ہوائی خیمہ پسند نہیں آیا، اسی لیے اُس نے شاہ صاحب کا ”ہوائی خیمہ“ اپنی نفرت کی ایک ہی پھونک سے نابود کر دیا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ شاہ صاحب اس سے زیادہ واقعی نہیں کر سکتے تھے۔ شعر پڑھ کر شاید آپ بھی میری رائے سے متفق ہو جائیں۔ شعر ملاحظہ ہو۔

بنا کے دے گیا خیمہ بساط بھر آخر  
سوائے اس کے وہ ننھا حباب کیا کرتا

محبتوں کی بازی میں نت نئے حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ قدم قدم پر  
آزمائش۔۔۔ سچ تو یہ ہے کہ محبت کی راہیں بڑی کٹھن ہوتی ہیں۔ اسی احتمال کا  
اظہار یوں کر رہے ہیں۔

آؤں نہ تیرے در پہ کبھی یوں خدا کرے  
آنکھوں میں بے بسی کا سلگتا سوال ہو

شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؒ نے مردہ قوم کو اپنی انقلابی شاعری سے جگایا۔ شاہ  
صاحب بھی فسرده لہو کو بپاش کرتے نظر آتے ہیں۔

جلا کے تیری رگوں میں چراغ الفت کا  
ترے فسرده لہو کو پپاش کرنا ہے

ان کی کتاب ”عکس جنوں“ اس طرح کے بے پناہ خوبصورت، بلیغ اور دل  
کی مختلف کیفیات کے عکاس اشعار سے بھری پڑی ہے۔ اس دعا کے ساتھ اپنی  
بات اپنے ان اشعار کے ساتھ ختم کرتی ہوں۔

ہے دعا میری زمانہ تیرے گن گاتا رہے  
اک زمانے کو ترا وجدان ٹپاتا رہے  
وقت کا پنچھی ترے عرفان کا شاہد بنے  
آنے والا وقت تیری فکر پھیلاتا رہے

غزالہ شاہین غزل

## سید غلام مجتبیٰ

سرمایہ غزل کا نگہبان مجتبیٰ  
 لعل و زر و گہر کی ہے اک کان مجتبیٰ  
 موزونی کلام پر ہے معتبر گرفت  
 ثانی! ہمارے عہد کی پہچان مجتبیٰ



پروفیسر محمد الیاس صدیقی ثانی

شعبہ اردو،

پنجاب کالج، گجرات

## حمدِ باری تعالیٰ

مائلِ تخلیق ہے اب بھی خدائے کائنات  
پھیلتی جائے نہ کیوں پھر یہ ردائے کائنات

بے کراں کہتے ہیں جس کو، جس کو سمجھیں بے مثال  
اس کے اک ادنیٰ اشارے میں سمائے کائنات

جس نے دی ہیں جلو تیں اس شش جہت امکان کو  
ناز کیوں نہ اس کی خلوت کے اٹھائے کائنات

کیوں نہ میں جھک جاؤں اس کی بارگاہِ عدل میں  
ایک ذرے میں جو اک پوری دکھائے کائنات

کس کی آمد تھی چراغاں آسمانوں پر ہوا  
کس کے استقبال کو مہکی فضائے کائنات

جب مشاہد بن کے میں چشم تصور وا کروں  
ذہن کے خوابیدہ گوشوں کو جگائے کائنات

مجتبیٰ! جس نے بنایا ہے اسے سیماب پا  
گیت اسی کی عظمتوں کے گنگنائے کائنات

اللہ اکبر

## نعتِ رسول ﷺ

غموں کا دُورِ مرے دل سے ڈر کیا اُس نے  
کچھ اس طرح سے زگ و پے میں گھر کیا اُس نے

بچا کے مجھ کو جہالت کی چیرہ دستی سے  
میں بے خبر تھا مجھے باخبر کیا اُس نے

دکھائی روشنی فطرت کے علم و عرفاں کی  
شبِ جنوں کو مری یوں سحر کیا اُس نے

بھٹک رہا تھا میں تیرہ و تار وادی میں  
سوئے حرم مجھے جو سفر کیا اُس نے



مرے خیال کو بخشا خرد کا پیانہ  
پھر اس کو دے کے وفا بحرِ زر کیا اُس نے

نوید بخش دی انسانیت کو رحمت کی  
سبھی خطاؤں سے صرفِ نظر کیا اُس نے

قبائے حق نے اُسے مجتبیٰ بنا ڈالا  
ثنا سے اپنی ہمیں بہرہ ور کیا اُس نے

ﷺ

بمختور حضرت امام حسین علیہ السلام

شیریں ہے انگبیں سے صداقت حسین کی  
 بے عیب لفظِ غم سے رفاقت حسین کی  
 جس نے بھی دیکھ لی ہے شجاعت حسین کی  
 اُس دل میں جاگزیں ہے محبت حسین کی  
 یہ بھی تو اک عنایتِ رتِ جلیل ہے  
 قربِ حسین دوریِ غم کی دلیل ہے

وہ کربِ صد بلا میں الجھنا حسین کا  
 گر گر کے بار بار سنبھلنا حسین کا  
 اُس ریگ زارِ خوں میں مچلنا حسین کا  
 اور ہو کر زرنگار نکلنا حسین کا  
 تازہ تھے زخم، گرچہ سراپا الم تھا وہ  
 خوں رنگِ ظلمتوں میں بھی ثابت قدم تھا وہ

وہ روشنی جو اُس کے لہو سے عیاں ہوئی  
 اُٹھی وہ ریگ زار سے جوئے رواں ہوئی  
 ظلمت اُسی کی لو سے ابد تک نہاں ہوئی  
 جو تیرگی تھی دین پہ وہم و گماں ہوئی  
 اپنے عمل سے راستہ حق کا دکھا گیا  
 اک دیپ راستے میں خرد کے جلا گیا



بساطِ غزل

## غزل

حصارِ کوہ میں تھی وہ، مگر اکیلی تھی  
عیاں تھی مجھ پہ مگر پھر بھی اک پہیلی تھی

اُسے جنون تھا تابندہ تر ہی رہنے کا  
محبتوں کی ادا بھی نئی نویلی تھی

تھی کوہسار سے آتی ہوئی وہ جوئے رواں  
سوار جس پہ تھا میں آرزو کی گیلی تھی

انا بچی تھی سو اُس پر ہی وار دی میں نے  
کہ میری جان تو پہلے ہی اس نے لے لی تھی

زمین جتنی تھی اوروں کے پاس تھی ساری  
ہمارے پاس فقط پیار کی حویلی تھی

میں ساری رات جماتا رہا وہاں سرسوں  
جو صبح دیکھا تو خالی مری ہتھیلی تھی

جو تیرے بعد مقدرہ تھی میرا تنہائی  
بھرے جہاں میں وہی مجتبیٰ! سہیلی تھی



## غزل

جنت سے ہو کے آئی ہے محویتِ خیال  
 اک پھول چُن کے لائی ہے پھر نیتِ خیال  
 جب تک نہ امرِ گُن سے ربِ جلیل دے  
 بھٹکے گی کائنات میں ذریتِ خیال

مل جائے تو اگر تو مجھے راس آئے گی  
 محشر کے روز لذتِ ابدیتِ خیال  
 جب تک یہ لا الہ کا ثمر بانٹتی رہے  
 پاکیزہ تر رہے گی عبودیتِ خیال

رکھو گے جب بھی دل میں تمنا اجال کر  
 مہکے گی دشتِ شوق میں رمزیتِ خیال

اتنا مجھے یقین ہے، وہ ہے میرے سامنے  
جزو نظر ہوئی ہے الوہیت خیال

میں اپنی خلوتوں میں ہوں کھویا ہوا مگر  
گم اس کی جلوتوں میں ہے کیفیت خیال

ہمت کرو تو آج بھی، اب بھی دکھائے گی  
نقشے جنوں شوق کے حریت خیال

تیرا خیال باعث تسکین جسم و جاں  
تیرا وجود باعث تقویت خیال





## غزل

دیارِ علم کو نابود کر دیا گیا ہے  
بدن کو گوہرِ مقصود کر دیا گیا ہے

جو پہلے علم کے موتی لٹاتا رہتا تھا  
اب اس کے ذہن کو بارود کر دیا گیا ہے

جو بے شعور تھے سر پر بٹھا دیئے گئے ہیں  
خرد کو وحشتِ نمرود کر دیا گیا ہے

فضا میں چاروں طرف جہل کے اندھیرے ہیں  
کہ روشنی کا جہاں دُود کر دیا گیا ہے

اندھیری رات میں جگنو جلا دیئے گئے ہیں  
زیاں کو غلغلہ سود کر دیا گیا ہے

میں کیسے پہنچتا پھر درک لامکانی تک  
مجھے خلاؤں میں محدود کر دیا گیا ہے

بھلا دیا ہے اسے ہم نے، مدتیں گزریں  
سبق وہ، آگ میں جو کدو کر دیا گیا ہے

فنونِ علم و ادب طاق میں ہیں رکھے ہوئے  
ہوس کو مادہ افزود کر دیا گیا ہے



## غزل

جہاں بھی بات دانائی کی ہوگی  
وہیں پر شرط بینائی کی ہوگی

کسے معلوم تھا ملنے سے پہلے  
کہ بس اک شب شناسائی کی ہوگی

خبر پھیلی تھی کل جو شہر بھر میں  
تمہارے ساتھ رسوائی کی ہوگی

مجھے معلوم تھا اُس پار جا کر  
کمانی روح فرسائی کی ہوگی

خدا سے تم اسی کو مانگ لینا  
یہ دولت نقشِ زیبائی کی ہوگی

زر و دولت جہاں ہوگی مقدم  
لڑائی بھائی سے بھائی کی ہوگی

اُسے پھر مجتبیٰ! تم ساتھ رکھنا  
یہی قیمت شکیبائی کی ہوگی



## غزل

شبِ درازِ محبت سے ہار جاؤں گا  
میں تیرے غم کی مسافت سے ہار جاؤں گا

میں فتح یاب تجھے پا کے ہو گیا ہوں مگر  
تری انا کی عدالت سے ہار جاؤں گا

میں جیت جاؤں گا دشمن کی فوج سے لیکن  
ترے بدن کی لطافت سے ہار جاؤں گا

ہر اک دلیل پہ وزنی دلیل دے کر بھی  
تری نظر کی وکالت سے ہار جاؤں گا

فصاحتوں کے سبھی پیچ و خم دکھا کر بھی  
تری ادا کی بلاغت سے ہار جاؤں گا

یہ وہم دل سے نکالو کہ میں محبت میں  
کبھی غموں کی تمازت سے ہار جاؤں گا

کبھی وفا کے تقاضوں سے کھاؤں گا میں شکست  
کبھی جنوں کی قیادت سے ہار جاؤں گا

شکست ہی ہے مقدر تو مجتبیٰ! سن لو  
اُسی کے پیار سے، چاہت سے ہار جاؤں گا



## غزل

وہ میرے نام کوئی انتساب کیا کرتا  
مجھی کو اوڑھ کے مجھ سے حجاب کیا کرتا

جو اپنے نامہ اعمال پر ہوا نام  
وہ شخص اور کسی کا حساب کیا کرتا

مجھے تو اس کی جنوں خیزیوں سے تھا مطلب  
میں اس کے علم کا پھر احتساب کیا کرتا

بنا کے دے گیا خیمہ بساط بھر آخر  
سوائے اس کے وہ ننھا حباب کیا کرتا

اسیر ہو گیا خود حلقہ ہائے نازش کا  
رقم وہ زلفِ پریشاں کا باب کیا کرتا

وفا کی لاج رکھی اپنی آگ میں جل کر  
اب اس سے بڑھ کے وہ تشنہ شباب کیا کرتا

وہ ایک جرعہ جاں تھا جو اُس نے مانگ لیا  
اس ایک قطرے سے میں اجتناب کیا کرتا

وہ ایک لفظ میں اس نے سکھا دیا مجھ کو  
پھر اس سے لے کے جنوں کی کتاب کیا کرتا





## غزل

کسی کے رازِ نہاں میں مجھے تلاش کرو  
میں کھو گیا ہوں جہاں میں مجھے تلاش کرو

نہیں ہوں کوہ و بیاباں میں، دشت و صحرا میں  
خود اپنے ربطِ بیاں میں مجھے تلاش کرو

میں ایک لفظ کا قیدی، میں اک ادا کا اسیر  
کسی کے کوچہء جاں میں مجھے تلاش کرو

ہمیشہ ڈھونڈتے ہو تنگنائے حسرت میں  
کبھی تو بحرِ گماں میں مجھے تلاش کرو

میں منہ میں رزقِ محبت لیے ملوں گا وہاں  
جفا کے سنگِ گراں میں مجھے تلاش کرو

## غزل

وہ اپنے شوق کا یوں اعتراف کرتے ہیں ۔  
 دلوں میں بیٹھ کے جو اعتکاف کرتے ہیں  
 کبھی وہ ہوتے نہیں ہیں کسی کے بھی محتاج  
 جو خرچ اپنا بقدر کفاف کرتے ہیں  
 وہ سونگھ پاتے نہیں کامرانیوں کی ہوا  
 جو صرف بیٹھ کے لاف و گزاف کرتے ہیں  
 جو جانتے ہیں کہ ہے عجز ہی متاع حیات  
 گناہ اشکِ ندامت سے صاف کرتے ہیں

کبھی غلط پہ وہ کرتے ہیں جاں نثار اپنی  
کبھی درست سے بھی اختلاف کرتے ہیں

نہیں وہ بخشتے جو عقل سے خطا ہو جائے  
خطائیں دل کی وہ ساری معاف کرتے ہیں

کبھی چھپاتے ہیں باتیں وہ اپنے آپ سے بھی  
کبھی ہر ایک پہ سب انکشاف کرتے ہیں



## غزل

یاد آتے ہیں سارے دن

تیرے ساتھ گزارے دن

محنت کش کے حصے میں

لمبی راتیں کارنے دن

تیرے ساتھ جو بیتا ہے

سارے کام سنوارے دن

اڑ جاتے ہیں لمحوں میں

سارے پیارے پیارے دن

جو گزرے ہیں بن تیرے  
کتنے تھے بیچارے دن

تیری خاطر چلتے ہیں  
سورج، رات، ستارے، دن

روک رکھے یا چلنے دے  
اُس کے ہات ہمارے دن

ایک صدی کے بعد مرا  
آیا شام کنارے دن



## غزل

دشت و صحرا میں نہیں نور کے ہالوں کی تلاش  
ہے مرے پیش نظر صرف غزالوں کی تلاش

منزلیں اُن کی طرف محو سفر رہتی ہیں  
جن کو رہتی ہے گل افروز اُجالوں کی تلاش

بھگی پلکوں ہی پہ رکھ دیتا ہے وہ ہونٹ اپنے  
تشنہ لب شخص کو ہوتی نہیں پیالوں کی تلاش

وہ مری روح کے صحرا میں اتر جاتا ہے  
پھر نہیں رہتی مجھے غم کے حوالوں کی تلاش

جب وہ بن ٹھن کے نکل آتا ہے گھر سے باہر  
پھر اسے رہتی ہے بس دیکھنے والوں کی تلاش

چیتھڑے چیتھڑے بکھرے ہوئے ہر سمت بدن  
اور ہے تجھ کو یہاں زہرہ جمالوں کی تلاش

بس یہ خواہش ہے کہ مل جائے کوئی دل والا  
مجھ کو گوروں کی نہ سرخوں کی، نہ کالوں کی تلاش



## غزل

یہ زندگی جو بنی ہے وبال، کچھ نہ کہوں  
گزارتا رہوں بس ماہ وصال، کچھ نہ کہوں

یہی ہے علم کہ قصے بناؤں ماضی کے  
کسی بھی بات پہ میں حسبِ حال کچھ نہ کہوں

اُسے پسند ہے چپ کی سزا مجھے دینا  
کروں نہ اُس سے کوئی بھی سوال، کچھ نہ کہوں

کھڑا کیا ہے مجھے لا کے اُس نے اب کے، جہاں  
رہوں میں ہجر سے جو وصال، کچھ نہ کہوں



یہ اُس کا شوق، اُسی کا جنوں کہ میری انا  
اگرچہ ہوتی رہے پائمال، کچھ نہ کہوں

یہ کیا ادا ہے کہ میں اُس کی گالیاں سن کر  
نہ لاؤں دل میں ذرا بھی ملال، کچھ نہ کہوں

یہ حکم ہے کہ ویلیں زمانے بھر سے چنوں  
میں اُس کے نام کی دے کر مثال کچھ نہ کہوں



## قطرہ

رنگ چہرے کا ضیا پاش ہوا  
 دائرہ آنکھ کا آکاش ہوا  
 دیکھ کر میری تنک تابی کو  
 وہ مرے ساتھ سفر باش ہوا۔



## غزل

میں چاہتا ہوں میری طلب بے مثال ہو  
تم چاہتے ہو میرے جنوں پر زوال ہو

پھوٹیں مرے ہر اک بنِ مو سے محبتیں  
اظہارِ شوقِ حرفِ تمنا پہ دال ہو

آؤں نہ تیرے در پہ کبھی یوں خدا کرے  
آنکھوں میں بے بسی کا سلگتا سوال ہو

رکھوں چھپا کے تیرے سراپا کو اس طرح  
شانوں پہ تیرے میری محبت کی مثال ہو

اس نے چرائی آنکھ کسی وجہ کے بغیر  
میں سوچتا ہوں یہ بھی نہ دشمن کی چال ہو

## غزل

نشانِ عجزِ جبیں پر تلاش کرنا ہے  
انا کے بُت کو ابھی پاش پاش کرنا ہے

ٹھہر گئی ہے یہ آ کر جنوں کے رستے میں  
خرد کو جو غم ارتعاش کرنا ہے

بنا ہے غیر کوئی اب کے نمگسار اپنا  
مجھے یہ راز بھی اپنوں پہ فاش کرنا ہے

غزل لکھی ہے شبِ غم گزارنے کو پر اب  
سحرِ قریب ہے فکرِ معاش کرنا ہے

جلا کے تیری رگوں میں چراغ الفت کا  
ترے فسردہ لہو کو بشاش کرنا ہے

ہے وقت کی یہ ضرورت کہ ساتھ والوں کی  
وفا کے بھیس میں ظلمت کو لاش کرنا ہے



## غزل

گو تیرے بنا دہر میں تنہائی بہت تھی  
پر نام ترا لینے میں عرسوائی بہت تھی

اب چاروں طرف گھورا ندھیرے ہیں فضا میں  
تم تھے تو مری آنکھ میں بینائی بہت تھی

خالی ہی میں پھر در سے ترے لوٹ کے آیا  
اوروں کی ترے سامنے شنوائی بہت تھی

پرکھا تو ترا ظرفِ محبت تھا تھی دست  
انداز میں مہکارِ مسیحائی بہت تھی

یہ میرا مقدر کہ مرے حصے میں آئی  
دنیا تری چاہت کی تمنائی بہت تھی

اشکوں سے بجھاتا رہا شب بھر اسے تنہا  
یادوں نے تری آگ جو دہکائی بہت تھی



## غزل

محبت میں کنارہ چاہتی ہیں  
مری آنکھیں اشعارہ چاہتی ہیں

لکیریں آسماں پر دیکھنے کو  
بس اک ٹوٹا ستارہ چاہتی ہیں

مری خوشیاں تو ہیں محفل کی طالب  
مگر آہیں سہارا چاہتی ہیں

تڑپنے کو صدائیں میرے دل کی  
مری پلکوں پہ تارا چاہتی ہیں



بسر کرنے کو میری سب وفائیں  
کوئی دل غم کا مارا چاہتی ہیں

بڑی مدت سے پیاسی میری آنکھیں  
بس اک جلوہ تمہارا چاہتی ہیں

دعائیں دل کی، دل کے ساتھ رکھنا  
تمہیں سارے کا سارا چاہتی ہیں



## غزل

پھر اس کے بعد وہ چاہے گلے لگائے مجھے  
میں اس پہ خوش ہوں وہ اک عمر آزمائے مجھے

میں اپنے آپ سے باہر نکلتا جاتا ہوں  
مرے وجود میں واپس کبھی وہ لائے مجھے

مجھے دکھائے وہ منظر گلاب رُت کے کبھی  
کبھی وہ قصہ دار و رسن سنائے مجھے

کبھی سنے وہ مرے دل کی داستاں مجھ سے  
سنا کے اپنی کہانی کبھی رُلائے مجھے

بنوں میں اُس کے لیے گیت اُس کی چاہت کا  
مدھر سروں میں وہ دھیرے سے گنگنائے مجھے

اُسے وفا کی طلب ہے مجھے جنوں کی تلاش  
بنے وہ شوق کا پیکر خرید لائے مجھے

کبھی وصال کی گھڑیاں بھی ہجر میں گزریں  
کبھی خیال ترا آ کے گدگدائے مجھے



## غزل

ذہن کو یاد سے تیری گل و گلزار کیا  
نازشِ کونے محبت کو سحر بار کیا

اک محل دل میں بنایا تھا بڑی چاہت سے  
چند لفظوں میں فقط تو نے وہ مسمار کیا

میں نے تو اپنی انا تک بھی نچھاور کر دی  
تو نے آرام سے مجھ کو پس دیوار کیا

زخم بھیجے تھے تجھے میں نے رفو کرنے کو  
تُو نے کچھ اور بھی ان کو لبِ اظہار کیا



## غزل

ہوا جو میں تباہ ہوں  
مقدر کی گرہ ہوں

ابھی تو کچھ نہیں میں  
ابھی سے بے پناہ ہوں

دیے بانٹے ہیں میں نے  
اگرچہ روسیاء ہوں

تری بخشش کا طالب  
سراسر اک گناہ ہوں

ہے کشتِ ناز ویراں

میں بے آب و گیاہ ہوں

میں خود ہی چور اپنا

خود اپنی ہی سپاہ ہوں

مجھے پاؤں میں رکھنا

کہ میں اک آبلہ ہوں

میں پہلے مجتبیٰ تھا

مگر اب سنگِ راہ ہوں



## غزل

تری اناؤں کو مطلوب ہونے والا ہوں  
میں اپنی ذات میں مصلوب ہونے والا ہوں

مری اناؤں کا پنچھی قفس کو توڑ چکا  
تری رضاؤں کا محبوب ہونے والا ہوں

میں پستیوں کا مسافر، میں تیرے پاؤں کی دھول  
ترے جلال سے مغلوب ہونے والا ہوں

خطا ہوئی ہے سو اس کی سزا تو ملنا ہے  
نگاہِ ناز میں معتوب ہونے والا ہوں

شکستِ نازشِ الفت ہے منتقم تیری

تری نگاہ سے مضروب ہونے والا ہوں

تجھے خبر ہی نہیں میرے حال کی لیکن

ہوا چلی ہے کہ مجذوب ہونے والا ہوں

یہی مآل ہے میرا کہ مجتبیٰ! سر پر

کلاہِ صبر ہے، ایوب ہونے والا ہوں





## غزل

مرے خیال کو غم کی اجازتیں دے جا  
مرے لہو کو جنوں کی تمازتیں دے جا

جو میرے پاس ہیں ساری، تری امانت ہیں  
جو تیرے پاس ہیں، ساری محبتیں دے جا

میں اپنے آپ میں تجھ کو تلاش کرتا رہوں  
کچھ ایسے ڈھنگ سے قربت کی راحتیں دے جا

میں اپنے ہوش میں کب ہوں کہ خود کو پہچانوں  
ندیم بن کے خرد کو ندامتیں دے جا

جو عمر بھر کی شکایات کا مداوا ہوں  
مرے جنوں کو اتنی وضاحتیں دے جا

جو تیرے ذہن میں گونجے وہ مجھ پہ نازل ہو  
گدائے حرف کو ایسی سماعتیں دے جا



میں منتظر تری آواز کا ہوں صدیوں سے  
کوئی صدا بھی مرے کان تک نہیں پہنچی

## غزل

خوشی کی موج، وفا تیرے نام کرتا ہوں  
میں اپنے غم کی ردا تیرے نام کرتا ہوں

بجھائے پیاس تو دو گھونٹ پی لیا کرنا  
جو آنکھ میں ہے گھٹا تیرے نام کرتا ہوں

جو تیرے کان میں رس گھولتی رہے ہر دم  
گلے کی ساری صدا تیرے نام کرتا ہوں

ہے تیرے ہاتھ، جلائے کہ یا بجھا ڈالے  
میں زندگی کا دیا تیرے نام کرتا ہوں

تری تمنا کا اک پھول میرے پاس رہے  
 فہک میں بہر خدا تیرے نام کرتا ہوں

تو اپنے حصے کی تاریکیاں مجھے دے دے  
 میں دل کی ساری ضیا تیرے نام کرتا ہوں

میں مجتبیٰ ہوں مجھے مانے یہ بھی رکھنا ہے  
 خلوص و صدق و صفا تیرے نام کرتا ہوں



## غزل

بڑھ گئی ہے اور میری جستجوئے انقلاب  
سونگھ کر تازہ ہوا میں ایک بوئے انقلاب

نذر میں اس کی کروں گا اپنی ساری زندگی  
میری رگ رگ میں بھری ہے جس نے خوئے انقلاب

زندگی اس کی، وفا اس کی، ہوائیں اس کی ہیں  
جو بھی رکھے گا جہاں میں آبروئے انقلاب

ڈالتا ہے کہکشاؤں پر کمندیں بھی وہی  
بہہ رہی ہو جس کے دل میں ایک جوئے انقلاب

پھیلتا ہے روز اک تازہ لکیروں کا جہاں  
دیکھتا ہوں آئے میں روز رُوئے انقلاب

گردشِ حالات سے اکتا گیا ہوں اس قدر  
جاگزیں دل میں ہے میرے آرزوئے انقلاب

منزلیں خود چل کے میرے پاؤں میں آ جائیں گی  
کچھ تو ہے مائل طبیعت اس کی سوئے انقلاب



## غزل

گر رہی ہے جھاگ اڑاتی آبتارِ زندگی  
ہمسفر ہے موت کا سایہ کنارِ زندگی

جو بھی لکھو لوحِ قسمت پر مجھے منظور ہے  
ہات تیرے دے دیا ہے اختیارِ زندگی

ڈالتا ہے ہر کوئی حصہ بقدرِ ظرف یاں  
ہر گھڑی، ہر دم رواں ہے کاروبارِ زندگی

جام اک آنکھوں کا پھر سے چاہیے اس کے لیے  
ٹوٹنے پھر سے لگا ہے اب خمارِ زندگی

کچھ تو ہے تعمیر میں اس کی، جو ہے سب سے الگ  
بن گیا انسان ہی کیوں شاہکارِ زندگی

تیرے مل جانے کی اک امید پر جیتا ہوں میں  
ختم ہوتا ہی نہیں یہ انتظارِ زندگی



لگی ہے ایک صدی دن کو کاٹنے میں مجھے  
کہاں میں جاؤں کہ سر پر کھڑی ہے رات ابھی



## غزل

چلتے ہیں جہاں بھر میں سبھی پورے وہ قد سے  
جو لوگ کسی طور گزرتے نہیں حد سے

کچھ روشنی چاہت کی مرے نام لگا دے  
ڈرتا ہوں بہت تیرہ و تاریک حد سے

یہ تجھ کو بھی معلوم ہے مٹ جائے گا سب کچھ  
تفریق نہ کر دو کو ابھی دو کے عدد سے

یہ خود بھی تو صحرا ہیں ترستے ہیں ہمیشہ  
تم خود کو بچائے رہو نفرت سے، حسد سے

کہلاتے ہیں شاعر وہ کسی اور کے بل پر  
ہیں رکن سے واقف، نہ سبب سے، نہ وتد سے

بیٹھا ہوں میں آئینہ وجدان میں کر کے  
مرکوز تری ذات پہ ایقان کے عدسے

یا رب! میں ترے حسن کمالات کا قائل  
اُس حسن نظر سوز کی آنکھوں کی سند سے



## غزل

تجھے تیری نظر سے مانگتا ہوں  
یہ موتی چشمِ تر سے مانگتا ہوں

نہیں مجھ کو تمنا منزلوں کی  
سفر، لطفِ سفر سے مانگتا ہوں

نقوشِ پا تمہاری چاہتوں کے  
جنوں کی رہزور سے مانگتا ہوں

مرے گھر کو ترے آنے کا رستہ  
میں خود اپنے ہی گھر سے مانگتا ہوں

میں تیرے پاس آنے کی اجازت  
ترے دربانِ در سے مانگتا ہوں

خدا سے مانگتا ہوں غم کی دولت  
میں تاریکی سحر سے مانگتا ہوں

محبت سے توقع ہے سکوں کی  
میں یہ پانی شرز سے مانگتا ہوں

مجھے معلوم ہے میں مجتبیٰ ہوں  
مگر خود کو ادھر سے مانگتا ہوں



## غزل

رُخ مری جانب سے اپنا پھیر کر  
چل دیا وہ روشنی کو گھیر کر

آ بھی جا لے کر دیا اُمید کا  
بجھ رہا ہوں اب نہ اتنی دیر کر

فیلِ وحشت کعبہٴ دل کی طرف  
اس کو سنب آگہی سے ڈھیر کر

درکِ غم کی روح اس میں پھونک دے  
آرزوئے جاں بہ لب کو شیر کر

آسماں اتنی بلندی پر نہیں  
اس کو اپنی جستجو سے زیر کر



## غزلیہ

منافقت سے نہیں جسم و جاں جو صاف ابھی

کرو نہ اپنی محبت کا اعتراف ابھی

ابھی نہیں ہوں سزاوار تیری چاہت کا

مری سرشت میں ہے خوئے اختلاف ابھی

ابھی ریا کو اتارو، نمو سے جان چھڑاؤ

کرو نہ بیٹھ کے مسجد میں اعتکاف ابھی

پڑا ہے خشک مرا دامنِ نشاط اب تک  
روا نہیں ہے ترے غم سے انحراف ابھی

یہ میرے جرمِ محبت کو اور دے گا ہوا  
کیا نہیں ہے جو تو نے مجھے معاف ابھی

ابھی نہیں ہے کسی ہاتھ میں کوئی پتھر  
فقیرِ شہر کو کرنا ہے انکشاف ابھی



## غزل

چشمِ کرم جو وا ہوئی جلوہ گہ ظہور سے  
شمعِ خیالِ جل۔ اٹھی برقِ ضمیر نور سے

دیتا ہے وہ جدائی کی سب سے کڑی سزا مجھے  
صرف نظر کیا نہیں اس نے مرے قصور سے

پہلے بھی اس کو ناز تھا مجھ سے سخن شناس پر  
کرتا ہے ذکر وہ مرا اب بھی بڑے غرور سے

بڑھ کے ہیں میرے واسطے ماتھے کی سلوٹیں تری  
حُسنِ جنوں نواز سے، عشوہ طراز حور سے



کرتا رہے گا انتظار، جیتے گا ایک دن تجھے  
کیا کیا توقعات ہیں اس دلِ ناصبور سے

ملتا ہوں تجھ سے جس طرح، دل میں یہی تڑپ رہی  
آ کے ملے کبھی مجھے تو بھی اُسی وفور سے

ہوتا ہے سامنے وہی، ملتے ہیں اس کے ہونٹ بھی  
آتی ہے اک صدا مجھے، دور، بہت ہی دور سے

اس نے مرے دماغ پر قبضہ کیا ہے اس طرح  
ہوتا ہے جسم تارتار، لڑتا ہوں جب شعور سے



## غزل

جادو جبر کا رہوار گنا جاتا ہے  
متقی ہے جو، گنہگار گنا جاتا ہے

جب بھی ہوتی ہے کہیں بندہ شماری جگ میں

مجھ کو عشاق میں ہر بار گنا جاتا ہے

جو نہیں جانتا کردار کے معنی کیا ہیں

وہ بھی اب صاحبِ کردار گنا جاتا ہے

گنا رہتا ہوں اسی شوخ کے بھیجے ہوئے غم

ساری دنیا میں جو دلدار گنا جاتا ہے

ہے مرے واسطے کانٹوں سے بھرا دشتِ خیال

اس کی فطرت کا جو گلزار گنا جاتا ہے

## غزل

ترے جو بھولا ہوا شخص دھیان میں آیا  
وہ ایک تیر تھا پھر سے کمان میں آیا

ضیائے فکر و عمل پڑ گئی مری مدھم  
جبھی تو طائرِ ظلمت اڑان میں آیا

تمہارے وہم نے شعلے اُچک لئے سارے  
میں راکھ بن کے اگر خاکدان میں آیا

خریدتا ہوں تری قربتیں جنوں کے عوض  
اسی لیے تو فقط تشنگان میں آیا

مجھے گمان ہوا میں نہیں رہا اس کا  
میں جب بھی ہوش میں آیا، گمان میں آیا

## غزل

اشکوں سے غم کی آگ بجھانے کا حکم تھا  
موتی یہ خاک پر ہی، گرانے کا حکم تھا

رکھتا ہوں اشک، آنکھ میں پردہ بنا کے میں  
چاہت کو اک جہاں سے چھپانے کا حکم تھا

یہ حکم تھا کہ ربطِ محبت عیاں نہ ہو  
ڈنکے کی چوٹ پر بھی بتانے کا حکم تھا

ہر جرعہ بہار خزاں کی طرف چلے  
ہستی کو ایسی آپ مٹانے کا حکم تھا

صورتِ گرِ خیالِ نیا ہے، فضا نئی  
 دشتِ نموِ عدم سے بنانے کا حکم تھا  
 صحرا کی جو جبین پہ لکھا تھا ہواؤں نے  
 دریا کو زیرِ آبِ جمانے کا حکم تھا  
 سوغات بھیج کر ہمیں غم کی، جفاؤں کی  
 چہرے پہ پھر بھی پھول کھلانے کا حکم تھا  
 اس کا تھا حکم، اپنی زباں بند ہی رکھو  
 سب کچھ ہمیں بتاؤ! زمانے کا حکم تھا



## غزلیہ

رہوارِ جنوں کی شان دیکھو  
چلتا ہے وہ بے تکان دیکھو

بے تاب ہوں میں ادھر بہت ہی  
ہے اُس کا ادھر دھیان دیکھو

ہے اس نے ہمارا ہاتھ تھاما  
ٹوٹے گی کہاں یہ تان دیکھو

میں جان بھی وارنے کو تیار  
ہوتا ہے وہ بدگمان دیکھو

کہتا ہے کہ خود پر تان لینا  
دے کر وہ مجھے کمان، دیکھو

تم نے تو فقط اک لفظ مانگا  
حاضر ہے ہماری جان، دیکھو



## غزل

دل کا ہر زخم وہ آشاؤں میں رکھ دیتا ہے  
اور پھر دل کو مرے پاؤں میں رکھ دیتا ہے

میں نے جو دیپ جلائے ہیں لہو سے اپنے  
دل انہیں درد کی دنیاؤں میں رکھ دیتا ہے

ہے اسے شوق جنوں خیزی دل لکھنے کا  
لکھ کے قرطاس پہ داناؤں میں رکھ دیتا ہے



جوڑ کر حرف مرے نام کی نسبت کے سبھی  
اپنے الفاظ کی میناؤں میں رکھ دیتا ہے

وہ سما جاتا ہے کچھ ایسی ادا سے مجھ میں  
جھیل کا عکس بھی دریاؤں میں رکھ دیتا ہے

وصل کا جب بھی کبھی اس سے میں کرتا ہوں سوال  
برف کی قاش تمناؤں میں رکھ دیتا ہے



## قطعہ

روشنی فرش سے۔ وہ عرشِ تلک دیکھتا ہے  
جو ترے حسن کی بس ایک جھلک دیکھتا ہے

کیا ہے مفہوم اُسے اس سے سروکار نہیں  
وہ تو نقاد ہے بس نوکِ پلک دیکھتا ہے



## غزل

میں چپ ہوں مرا خیال چپ ہے  
شیشے میں پڑا جو بال چپ ہے

بے جسم ہے گرچہ دانشِ گل  
ظاہر ہے جلال، جمال چپ ہے

ہے زخمِ صدائے کن کا مظہر  
یہ گردشِ ماہ و سال چپ ہے

نظریں تو اٹھا کے دیکھ آگے  
ناطق ہے جواب، سوال چپ ہے

تھا بولتا ہنگامہ ماضی لیکن  
اب کیا ہے جو تیرا حال چپ ہے

لگتا ہے کہ طوفان ہے تمہارے اندر  
سُر چپ ہے تمہاری، تال چپ ہے



## غزل

جب بھی پھیلی کبھی صدائے جنوں  
شہر بھر میں چلی ہوائے جنوں

عین ممکن ہے تو بدل جائے  
عین ممکن ہے رنگ لائے جنوں

لوگ خیرات عقل کی مانگیں  
میں ہوں لیکن فقط گدائے جنوں

عقل محدود، عشق شعلہ فشاں  
بحرِ ذخار تنگنائے جنوں

اپنی ہی جان کا ہوا دشمن  
شورشیں اس قدر اٹھائے جنوں

غیرتِ سنگ میں ہے چنگاری  
ضبطِ پندار کو جلائے جنوں

اُس کی ساری خطا معاف کرے  
بھاگتی ہے ہمیں آوائے جنوں

شدتِ درد سے رہے بے کل  
وقت میں رنگ بھر کے لائے جنوں



## غزل

تحفہ ہائے وفا دیے، کیا کیا  
غم کی بارش، ہوا، دیے، کیا کیا

دشتِ الفت کی رونقیں دیکھو  
پھولِ غم کے کھلا دیے کیا کیا

اس کو آزاد کر دیا یکسر  
خود پہ پہرے بٹھا دیے کیا کیا

اک غزل کو سنوارنے کے لیے  
نقشِ وحشت جما دیے کیا کیا

وہ محبت کو عیب کہتا ہے  
ہم نے دیکھ جلا دیے کیا کیا

اس کو ہے دل ٹٹھلنے کی ہوس  
روگ مجھ کو لگا دیے کیا کیا





## غزل

دائرے جتنے بھی ممکن ہوں مٹاتے جانا  
دشت در دشت مری خاک اڑاتے جانا

کیوں ترے ذہن میں پھر حسرتِ گفتار رہے  
بند ہونٹوں میں ہے جو بات سناتے جانا

ایک مدت سے یہ سیلاب رکا بیٹھا ہے  
ہو جو ممکن تو کسی روز اُلاتے جانا

جانے کیوں غیر سی لگتی ہے یہ دنیا ساری  
آج اک جامِ محبت کا پلاتے جانا



## غزل

رنج و آلام کو، آفات کو بھایا ہوا ہے  
 بوجھ جس دل نے ترے غم کا اٹھایا ہوا ہے

اس کی دو وقت کی روٹی پہ ہیں نظریں کس کی  
 وہ جو مزدور پسینے میں نہایا ہوا ہے

ایک مدت سے تری زلف کو سر کرنے کا  
 ایک سودا سا مرے سر میں سمایا ہوا ہے

جس کو ہر غم سے بچانے کی قسم کھائی تھی  
میں نے ہر زخم اسی آنکھ سے کھایا ہوا ہے

پیار سے بولو تو میں دام میں آ جاتا ہوں  
میں نے اس مد میں بڑا نام کمایا ہوا ہے

غم کے کانٹوں کی جہاں فصل اُگی ہے دل میں  
اک گلستانِ محبت بھی اُگایا ہوا ہے



## غزل

وہ تو سورج ہے، جلائے گا، سیاہی دے گا  
روشنی مانگنے کے بھی پیپار کا راہی دے گا

میں اگر مٹ بھی گیا، دارِ شکستہ پا سے  
اک زمانہ میرے ہونے کی گواہی دے گا

وقت نے ہی تو سجایا ہے یہ نیرنگ خیال  
ایک دن وقت ہی دُشنامِ تباہی دے گا

سیر کر دیتا ہے اک جلوۂ حق بندوں کو  
سوزِ غواصی دل تشنہ نگاہی دے گا

پرتو فکر کا وجدان اگر ہو تجھ کو  
سلسلہ سوچ کا اک لامتناہی دے گا

پائے اثبات میں لرزش نہیں آنے دینا  
حاصل صبر و رضا فقر میں شاہی دے گا

مجتبیٰ! ظرفِ محبت کے خزینے سارے  
ساری دنیا کو ترے در کا گدا ہی دے گا



## عجز

اپنے دعوے پہ دلیلوں کے نہ انبار لگا  
بس یہ کافی ہے کہ تُو سر کو سرِ دار لگا

عین ممکن ہے کہ پھر اذنِ حضوری ہو جائے  
کشتِ نیت میں کوئی عجز کا گلزار لگا

پہلے انکار میں اقرار کا ہوتا تھا گماں  
اب کے اقرار بھی تیرا مجھے انکار لگا



## غزل

سینہ مرے احساس کا شق ہونے لگا ہے  
اس بات کا اس کو بھی قلق ہونے لگا ہے

پڑتی ہی نہیں تیری محبت کی پھواریں  
گلزارِ محبت لقا و دق ہونے لگا ہے

سرخاؤ اسے خون کی لالی سے، جنوں سے  
تاریک اگر رنگِ شفق ہونے لگا ہے

رکھتا ہوں میں اب سر کو ترے در پہ جھکا کے  
اب یاد مجھے پہلا سبق ہونے لگا ہے

میں نے تو ابھی اپنی زباں تک نہیں کھولی  
کیوں رنگ ترا خوف سے فق ہونے لگا ہے

## غزل

انا میں وار کے بھی خارِ بے حضور ہوا  
 خدا کے سامنے رہ کر خدا سے دُور ہوا  
 مرا یقین ہی کم تھا وہ مجھ سے دُور نہ تھا  
 میں جب بھی وہم سے نکلا خرامِ طور ہوا  
 وفا کی ٹھان لی اُس نے محبتوں کے بغیر  
 مرے جنوں کا اتنا اثر ضرور ہوا



زمانے بھر کی جو رسوائیاں ملیں مجھ کو  
اُسے پسند کیا ہے، یہی قصور ہوا

یہ بعد کیا ہے، خلا کیا ہے، دُوریاں کیا ہیں؟  
مرے خیال میں یہ وقفہ ظہور ہوا

ہوا ہے ذکر مرے مجتبیٰ کی رحمت کا  
مری غزل کا ہر اک حرف، حرفِ نور ہوا



## غزل

آ سکو تو آ جاؤ، ہم اداس بیٹھے ہیں  
 اب نہ اوز تڑپاؤ، ہم اداس بیٹھے ہیں  
 بے وفاؤں کو چھوڑو، دل مری طرف موڑو  
 اپنے دل کو سمجھاؤ، ہم اداس بیٹھے ہیں  
 عقل کا اعادہ تم، شوق کا لبادہ تم  
 خود کو آ کے پہناؤ، ہم اداس بیٹھے ہیں  
 وقت کی ضرورت تھی دُوریوں میں گم ہونا  
 اب قریب بھی آؤ، ہم اداس بیٹھے ہیں

دُھند چھائی رہتی ہے بے خودی کی چہرے پر  
اس کو آ کے گہناؤ، ہم اُداس بیٹھے ہیں

دل کی دل میں رکھنے سے غم کا گھاؤ بڑھتا ہے  
کچھ نہ کچھ تو فرماؤ، ہم اُداس بیٹھے ہیں

بوجھ بانٹ لو ہم سے، دل کی دھڑکنیں ساری  
آنسوؤں سے گرماؤ، ہم اُداس بیٹھے ہیں

آ ملو کبھی ہم سے اور ہماری سانسوں میں  
اپنی سانس الجھاؤ، ہم اُداس بیٹھے ہیں



## اوج ہنر

میں نے جب اپنے مصائب تمہیں گنوائے تھے  
 تم نے بیکار بہانوں سے مجھے ٹال دیا  
 میں نے جب باندھ دیے شعر میں وہ غم سارے  
 تم نے کھاتے میں مرے اوج ہنر ڈال دیا



## قطعات

پھول بن جائے اگر گیت مری چاہت کا  
 پیار سے اس کو ترے سر پہ سجا دوں جاناں  
 حرف در حرف مہکتے ہوئے لفظوں کے طفیل  
 خانہ دل کی تجھے سیر کرا دوں جاناں



ٹوٹے ہوئے تاروں کی طرح آتے ہو  
 پل بھر کی چمک آنکھ کو دکھلاتے ہو  
 موجود ہوں شیرازہ الفت بن کر  
 بازار سے کیوں بند قبا لاتے ہو



## غزل

ہاتھوں پہ اس کے ابھرا نقشِ جفا بڑا سا  
خونِ جگر تھا میرا لگتا تھا گو حنا سا

اس کو خبر نہیں ہے جو میرے دل پہ بتی  
اس کا چلن ہمیشہ رہتا ہے بس ہوا سا

رُکنے لگی ہیں بنصیں جسِ دوامِ دل میں  
یہ زندگی کا منبع لگتا ہے اب خلا سا

آنکھوں کا رنگ تیری کچھ ہو گیا ہے ایسے  
زخمِ جگر سے اٹھتی چبھتی ہوئی ندا سا

کل رات کی کہانی منج ہوئی ہے اس پر  
 قلب و جگر میں جیسے محشر ہو اک پپا سا  
 ڈھونڈو گے ساری دنیا چھانو گے کہکشاں میں  
 لاؤ گے پھر کہاں سے اک دوست مجتبیٰ سا



سرگراں لوگ ہیں کیوں چہرہ چھپاتے پھرتے  
 آئینے کس نے سجائے در و دیوار کے ساتھ

## غزل

اوروں پر تو اکثر ہنستے رہتے ہیں  
آؤ ذرا آج اپنے آپ پہ ہنستے ہیں

آج ہمیں تم سلوٹ سلوٹ کر لینا  
سو جاؤ تم، لو! ہم بستر بنتے ہیں

بہہ جاتا ہے ایک ہی پل میں وہ آنسو  
جس کی آس میں درد زمانے لگتے ہیں

کتنے سادہ ہو تم باہر ڈھونڈتے ہو  
ہم تو اپنے من مندر میں رہتے ہیں

سہنے کا انداز بدلتا رہتا ہے  
دل پر زخم جفا کے سب کو لگتے ہیں



## غزل

پھیل جائے گی زمیں پر اک روائے روشنی  
پہن رکھی ہے اگر اس نے قبائے روشنی

درحقیقت کہکشاؤں کا پتہ دیتی ہے یہ  
دور سے بس دھند کا دھبہ دکھائے روشنی

تیرگی سے پیار کرتا ہوں، تڑپ کانٹوں کی ہے  
کیا یہ ممکن ہے کہ میرے گھر میں آئے روشنی

اب تو اپنا آپ بھی خود کو نظر آتا نہیں  
ڈھونڈ کر مجھ کو کہیں سے اب تو لائے روشنی

چاہیے پھر علم کئی، اخلاق کی، اطوار کی  
کون تاریکی مٹائے گا سوائے روشنی

یاس کی تاریکیوں کا ہر طرف اب راج ہے  
اک دیا اُمید کا اب تو جلائے روشنی

پیار نے مجھ کو کیا ہے اک مریض بے دوا  
چاہیے تھوڑی سی اب دل کو دوائے روشنی



## غزل

وہ مجھے ملنے سے پہلے نقشِ زیبائی نہ تھا  
گو محبت کا امیں تھا پھر بھی سودائی نہ تھا

شوق تھا گرچہ اسے ہر گھر میں جانے کا بہت  
لوگ کہتے ہیں کہ وہ پاگل تھا ہر جائی نہ تھا

فاصلے جب کم ہوئے تو نقشِ دھندلانے لگے  
اس کا میرے پاس رہنا وجہِ بینائی نہ تھا

تم جسے سمجھے مری تنہائیوں کی بازگشت  
توشہِ غم تھا کسی کا دردِ تنہائی نہ تھا

کل جسے اوڑھا تھا میں نے شہر بھر کے سامنے  
تیری الفت کی ردا تھی طوقِ رسوائی نہ تھا

## خزینہ

لے گیا دُرّ یقینِ نقشِ گماں چھوڑ گیا  
 جاتے جاتے بھی وہ زخموں کے نشاں چھوڑ گیا  
 یہ بھی اندازِ محبت کہ گلہ کرنے کو  
 لے گیا تیر وہ سارے پہ کماں چھوڑ گیا  
 اپنی باتیں وہ سناتا رہا شب بھر مجھ کو  
 میرے سینے میں مگر چپ کا دھواں چھوڑ گیا  
 سوئپ کر اپنی محبت کے خزینے سارے  
 راستے میں وہ مرے کوہِ گراں چھوڑ گیا

اب میں کس کس سے کہوں، میں نہیں کہتا کچھ بھی  
کیونکہ وہ منہ میں مرے اپنی زباں چھوڑ گیا

جن کو دنیا سے چھپانا تھا وہ سب کہہ ڈالے  
جو عیاں کرنے تھے وہ بھید نہاں چھوڑ گیا

نقش جو صاف تھے وہ اس نے مٹا ڈالے سبھی  
اپنی پہچان کے مبہم سے نشاں چھوڑ گیا

مجتبیٰ! اُس کو ہے نیرنگی فطرت بھی عزیز  
اس لیے دل میں وہ بت خانہ جاں چھوڑ گیا



## غزل

زعم میں اپنے امیں خوئے بغاوت کا مگر  
بے ارادہ وقت کے سانچے میں ڈھل جاتا ہوں میں

جب تصور باندھ لیتا ہوں ترا میں ذہن میں  
موسموں کے آنے جانے سے نکل جاتا ہوں میں

وقت کر سکتا نہیں مجھ کو کبھی اب پائمال  
ٹھوکرے کھانے سے پہلے ہی سنبھل جاتا ہوں میں

من کی دنیا میں نہیں آتی کبھی بے رغبتی  
مستقل تیری گلی میں آج کل جاتا ہوں میں

## غزل

ترے حصول کا ایقانِ حرفِ رازِ ہوا  
دُورِ شوق کا ہر سلسلہ درازِ ہوا

مجھے تو ناز تھا تجھ پر ہر اک حوالے سے  
یہ اور بات کہ تو بھی زمانہ سازِ ہوا

عجیب بات ہے جاناں کہ تیری ضد کے طفیل  
میں تیرے قرب کی لذت سے سرفرازِ ہوا

یہ اعتراف ہے مجھ کو کہ تیری چاہت میں  
ہر ایک لمحہ مرا وقفِ حرص و آرزوِ ہوا

مجھے خرد کی طلب تھی نہ معرفت کی تلاش  
وہ ایک شخص ہی دل میں حریمِ نازِ ہوا

## غزلیں

غم کی راہوں میں جو دلدار نہیں ہو سکتا  
وہ کسی طور بھی غمخوار نہیں ہو سکتا

دیکھ لیتی ہے وہ دُوری پہ ہر اک شے کو مگر  
آنکھ کو اپنا ہی دیدار نہیں ہو سکتا

کون دیکھے گا اُسے آنکھ میں مستور ہے وہ  
آنکھ کو اپنا ہی دیدار نہیں ہو سکتا



لڑکھڑا جائیں قدم جس کے کسی مشکل میں  
منزلِ شوق کا رہوار نہیں ہو سکتا

اس کی دیوار کے سایے کی ہوس ہے لیکن  
دشت میں سایہ دیوار نہیں ہو سکتا

اُس نے چھینی ہے ردا مجھ سے مری الفت کی  
اس سے بڑھ کر کوئی آزار نہیں ہو سکتا



## غزل

میرے سینے میں ہیں جو ہمارے الم پتھر کے  
کون کہتا ہے کہ ہوتے نہیں دم پتھر کے

سر بہ سر زخم ہوں اور اس پہ بھی زندہ ہوں ابھی  
مجھ کو جتنے بھی بلے سب تھے صنم پتھر کے

اتنا پتھر ہے کہ پگھلا نہیں اک پل کے لیے  
میں نے آنسو بھی کیے اس کو بہم پتھر کے

ایک پتھر یا سا چہرہ لیے ملتا ہے مجھے  
دیکھتے ہی مجھے ہوتے ہیں قدم پتھر کے

کچھ ہے عادت مجھے، ہر لحظہ جفا سہنے کی  
کچھ وہ ایجاد بھی کرتا ہے ستم پتھر کے

کچھ ہمیں شوق ہے پتھر سی ہنسی ہنسنے کا  
کچھ بنا لیتے ہیں اطوار بھی ہم پتھر کے

مجتبیٰ! تیرے مقدر میں تو پتھر ہیں سبھی  
تیرے غمخوار بھی پتھر کے ہیں، غم پتھر کے



## غزل

زخم سے درد جدا، درد سے دل دار جدا  
جو بھی سچے ہوں وہ ہوتے نہیں غم خوار جدا

اک بہانہ تھا فقط مجھ سے جدا ہونے کو  
کر لیے تو بنے مرے طور سے اطوار جدا

تان کر چاروں طرف اپنی جفا کے سورج  
تُو نے کی سایہ دیوار سے دیوار جدا

اب تو مر کر ہی مرا نام ہٹے گا تجھ سے  
جیتے جی پھول سے ہوتی نہیں مہرکار جدا

تیرے ہر کام میں ندرت بھی ہے، یکتائی بھی  
تیرا اقرار جدا، صورتِ انکار جدا

ہر قدم دور ہوا جو بھی اٹھا میری طرف  
رنگِ نفرت کا الگ، پیار کی تکرار جدا

ہے عجب طرفہ تماشا تری فطرتِ جاناں!  
تیری اقدار الگ ہیں، ترا کردار جدا

اس کو بھی اپنی ہی فطرت کا تماشا جانو  
سر اگر میرا نظر آئے سرِ دار جدا



## غزل

دل میرا ترے دم ہی سے بت خانہ جاں تھا  
جو بھی تھا زباں پر مری افسانہ جاں تھا

دل تیری محبت کا طلب گار ازل سے  
تو جاں تھی مری، دل نمرا پروانہ جاں تھا

تجھ کو تھی فقط اُجلے سویروں کی تمنا  
وحشت کا طلب گار، میں غم خانہ جاں تھا

چاہیے تھا تجھے پیار بھی، دیوار بھی، در بھی  
میں مفلس و محتاج تو ویرانہ جاں تھا

تھا تلخ بہت اس لیے چکھا ہی نہ تُو نے  
لبریز مئے درد سے پیمانہ جاں تھا

## غزل

قصہ درد کے گھمسان سے ڈر آتا ہے  
تیری وحشت کے نگہبان سے ڈر آتا ہے

جو بھی لکھا وہ حقیقت میں بدلتے دیکھا  
اپنے لکھے ہوئے دیوان سے ڈر آتا ہے

بہہ نہ جائے کہیں خاشاکِ محبت اس میں  
دل میں اٹھتے ہوئے طوفان سے ڈر آتا ہے

ڈر نہیں موت کا اب اس کی جفا کے ہاتھوں  
مستی شوق کے وجدان سے ڈر آتا ہے

خوف آتا نہیں سلطان کے ستم سے مجھ کو

تیری فطرت کے شبستان سے ڈر آتا ہے

تیرے سینے میں تلاطم ہیں نہ جانے کتنے

تیری پیشانی کے عنوان سے ڈر آتا ہے

میرا محبوب بھی تھا صوتِ انساں شاید

اس لیے اب تو ہر انسان سے ڈر آتا ہے





## غزل

ہر رنگ میں اس کو دیکھتا ہوں  
دن رات اسی کو سوچتا ہوں

جو اپنی زبان کھو چکے ہیں  
میں ان کی زبان بولتا ہوں

مٹھی میں ہوا کو بند کر کے  
میں تیری طرف ہی پھینکتا ہوں

وہ مجھ سے بچا رہا ہے دامن  
میں جس کی طلب میں جل بجھا ہوں

گم گشتہ صدا تری وفا کی  
میں اب بھی ہوا میں ڈھونڈتا ہوں

وہ مجھ سے گریز پا ہے لیکن  
میں اُس کی طرف ہی بھاگتا ہوں

ٹھکرایا مجھے ہے کیسے اُس نے  
حالانکہ اسی کا مجتبیٰ ہوں



## غزل

یہ خواہشِ بے ربط نہیں تشنہ لبی ہے  
بے جسم کو چھونے کی طلب دل کو لگی ہے

آواز نے کانوں میں مرے شہد سا گھولا  
ہے منہ میں ترے لفظ کہ مصری کی ڈلی ہے

تم ایک بھی سنتے نہیں بس کہتے ہو اپنی  
ہم نے تو تری شوق سے ہر بات سنی ہے

یہ جسم تو پھٹ جاتا اگر ایک بھی سہتا  
ہر بات تری ہم نے فقط دل پہ سہی ہے

جل جائے گا سب کچھ جو ذرا سی بھی عیاں ہو  
اک آگ ہے جو سینے کے اندر ہی دبی ہے

## غزل

اک اشارہ سا کہانی کے جو عنوان میں تھا  
اس کا ہر عکس مرے درد کے طوفان میں تھا

اب جزا اس کی ملے یا نہ ملے تیری رضا  
میں نے وہ کبر تو دیا جو مرنے امکان میں تھا

تجھ کو حیرت ہے کہ وہ کون تھا شعروں میں مرے  
ذکر تیرا ہی تو تھا جو مرے دیوان میں تھا

یوں تو تھے اور حوالے بھی مرے ذکر کے ساتھ  
کشتہ عشق و وفا ہی مری پہچان میں تھا

چن لیا اپنے لیے پہلی نظر میں میں نے  
پھول الفت کا تری، درد کے گلدان میں تھا

## غزل

لاکھ مشکل ہو روا رکھنا دفاعِ آرزو  
ہو کسی صورت نہ وارد انقطاعِ آرزو

منزلیں اک خواب ہو جاتی ہیں ان کے واسطے  
چھوڑ دیتے ہیں جو ہاتھوں سے متاعِ آرزو

ڈھونڈتے رہنا نئے رستے، نئے کوہ و دمن  
باجل رکھے گی تجھ کو اختراعِ آرزو

روشنی ہی روشنی ہر سمت لہرانے لگی  
شوق پر اپنے پڑی جب بھی شعاعِ آرزو

آرزو مرجھا کے کھلنے کی رہے قائم سدا  
پھول کے کھلنے سے سیکھو اتباعِ آرزو

## غزل

پہلے ہی جرم پہ جنت سے نکالا ہوا دل  
ہے مرے پاس فقط درد میں ڈھالا ہوا دل

ڈھونڈتا رہتا ہوں لیکن نہیں ملتا مجھ کو  
اس کی آنکھوں نے ہے سینے سے نکالا ہوا دل

کر دیا تیرے حوالے کہ یہ حق تھا تیرا  
تیرے ہی پیار کی آغوش میں پالا ہوا دل

کھو گیا دیکھتے ہی دیکھتے آنکھیں تیری  
 ایک مدت سے تھا میں نے تو سنبھالا ہوا دل  
 نفرتیں جذب کرے پیار بکھیرے ہر سو  
 عشقِ خود سوز کی شمع سے اُجالا ہوا دل  
 ایک کونے میں پڑا رہتا ہے بے بس ہو کر  
 اک زمانے سے ہے سینے میں وہ ٹالا ہوا دل



## غزل

چلی ہے جب سے مرے شہر میں ہوائے غزل  
 بنا دیا ہے مجھے اس نے رہنمائے غزل

غزل نے جب بھی محبت سے ہاتھ پھیلائے  
 یہ دل کا حال کہ ہر وقت گنگنائے غزل

اسی خیال نے سر مست کر دیا مجھ کو  
 مرے وجود میں بہتی ہے آبنائے غزل

صریر خامہ نوائے غزل میں ڈھل جائے  
 کچھ اس طرح سے رگِ جاں میں سرسرایے غزل



یہ ایک خواہشِ بے جا بھی دل میں رکھتا ہوں  
 جہاں بھی جائے مجھے سامنے ہی پائے غزل  
 کسی بھی اور کے بس میں نہیں مجھے پانا  
 میں کھو گیا ہوں، کسی طور ڈھونڈ لائے غزل  
 کیا کسی نے اُسے مجھ سے بدگماں ہے بہت  
 دھواں اُڑانے کو اک دیپ ہی جلائے غزل



## غزل

زندگی کالی گھٹا تھی پہلے  
موج در موج صبا تھی پہلے

تجھ سے مل کر مجھے محسوس ہوا  
زندگی ایک سزا تھی پہلے

تیری مسکان کہ ہے وجہ جنوں  
ایک معصوم ادا تھی پہلے

اب نگاہوں میں کھٹکتی ہے بہت  
تیری تصویر خدا تھی پہلے

اب وہ بندوق لیے پھرتی ہیں  
جن کے ہاتھوں پہ حنا تھی پہلے

زندگی روزِ ازل سے قائم  
موت تھی جو کہ جدا تھی پہلے

مجتبیٰ! اب ہے جفا کی ظلمت  
وہ جو تنویرِ وفا تھی پہلے



## غزل

تمہیں ہے یاد مرے ساتھ ابتدا ہونا  
مجھے بھی یاد ہے تیرا غزل سرا ہونا

میں مانگتا نہیں تجھ سے دوائے دردِ جنوں  
مجھے تو چاہیے اس درد کا دوا ہونا

یہ مرحلہ بھی مرے ہاتھ کی لکیر میں تھا  
دورِ شوق کا ہر چیز سے سوا ہونا

میں اس کو لیتا ہوں تشنہ ادائے خاص فقط  
ذرا سی بات پہ تیرا چراغ پا ہونا

اک عمر کوئے بتاں میں گزار کر بھی مرا  
عجیب تھا تری چاہت میں مبتلا ہونا

یہ لطفِ خاص ہے شاید خدا کی الفت کا  
محبتوں میں ہر اک زخم کا ہرا ہونا

کوئی بھی دوست مرے ساتھ آج تک نہ چلا  
لکھا تھا تجھ سے بھی تقدیر میں، جدا ہونا



## غزل

وہ ایک شخص کہ جس سے کنارہ کرنا تھا  
اُسی کو وقت نے اک دن ہمارا کرنا تھا

یہ کیا ہوا تری نظروں کے زاویے بدلے  
تمہیں تو میری ہی جانب اشارہ کرنا تھا

یہی تو طے تھا کسی شرط کے بنا تم نے  
بہار بن کے خزاں میں گزارا کرنا تھا

میں جاں کے ساتھ انا کو بھی باندھ لایا ہوں  
یقین دلانے کو کوئی تو چارہ کرنا تھا

ادھورا چھوڑ دیا پیار کا، وفا کا چلن  
تمہیں یہ کام تو سارے کا سارا کرنا تھا

## فِطْرَة

پتواروں کو زخمی ہاتھ چلاتے ہیں  
 آس ہیولے بیچ بھنور چکراتے ہیں  
 زخم مجھے لگتے ہیں سارے، لفظوں کے  
 مرہم بھی ان پر یہ لفظ لگاتے ہیں



## غزل

اک تیری دید سے مری روٹھی نظر بہل گئی  
 بہکی ہوئی تھی زندگی پل میں مگر سنبھل گئی

تُو ہو کبھی تو رُو برو، تجھ سے ہو دل کی گفتگو  
 اک یہی آرزو تھی بس، دل سے مرے نکل گئی

روح طلب سے بے نیاز، اس کا خیال دل گداز  
 آرزوئے نُحستہ گام دل میں چل چل گئی



آیا ہی تھا دماغ میں عکس ترے جمال کا  
”بزمِ خیال میں ترے حُسن کی شمع جل گئی“

ہم کہ جنونِ شوق میں حد ہی سے تو گزر گئے  
اس کی جفا کی راگنی اشکِ وفا میں ڈھل گئی

حُسنِ طلب سے زندگی رشکِ بہشت تھی اگر  
حسنِ عمل سے ہی مگر بن وہ جزا کا پھل گئی



## غزل

خزاں سے بڑھ کے فسردہ ہزار گزری ہے  
ترے بغیر جو اب کے بہار گزری ہے

گزر رہی ہے جو کیفیت جنوں تجھ پر  
ہمارے دل پہ دم انتظار گزری ہے

لٹا رہی ہے جو الفت، مرے رقیبوں پر  
کبھی ادھر سے بھی وہ جوئیہ گزری ہے

کوئی تو ہو گا مسیحا، کبھی تو آئے گا  
”تلاش میں ہے سحر بار بار گزری ہے“

اسے تو چاہیے غم خوار بھی، نئے غم بھی  
یہ رات، ہجر کا لے کر خمار گزری ہے  
تمہیں جو غور سے بس اک نظر ہی دیکھا تھا  
پھر اس کے بعد بہت بے قرار گزری ہے  
کلجے شق تو ہوئے ہوں گے رہروؤں کے ضرور  
کہ اہتمام سے وہ زر نگار گزری ہے



## غزل

ہوا ہو کر ترے گھر سے جو دیوانی نہیں جاتی  
مجھے لگتا ہے میرے گھر سے ویرانی نہیں جاتی

اسے پہچان کر بھی میں نے پوچھا، کون ہو جاناں؟  
اسی اک بات کی اب تک پشیمانی نہیں جاتی

مجھے اپنا کے، قسمیں کھا کے، اس نے چھوڑ بھی ڈالا  
بڑی تاویل کرتا ہوں پہ حیرانی نہیں جاتی

کیے ہیں مسخ تو نے اس طرح سے خال و خد میرے  
کہ مجھ سے اپنی ہی تصویر پہچانی نہیں جاتی

اُسے یہ وہم ہے کہ اب بھی اُس کا حکم چلتا ہے  
سبھی کچھ چھن گیا پر خونے سلطانی نہیں جاتی

## غزل

زباں کو حرف، سرِ عام کرنے والا ہوں  
میں ظرفِ شوق ترے نام کرنے والا ہوں

تری نگاہ کو تسکیں اسی سے ہوتی ہے  
میں اپنا عکس بھی نیلام کرنے والا ہوں

اگرچہ نام تمہارا بھی ساتھ آئے گا  
میں اپنے آپ کو بدنام کرنے والا ہوں

یہ گہ رہی ہے تری سرد مہری الفت  
فسانہٴ غمِ دل عام کرنے والا ہوں

نہیں تھا کرنا کبھی انکشاف جو مجھ کو  
اے میرے گھر کے درو بام! کرنے والا ہوں

سنے گی خلق مرے قہقہے بھی درد کے ساتھ  
چمکتے دن کو جو میں شام کرنے والا ہوں

ہو روزِ حشر بھی تیری طلب ہی پیشِ نظر  
یہی تو خواہشِ بے دام کرنے والا ہوں



## غزل

تجھ سے مل کر آتا ہوں  
زخم نئے سہلاتا ہوں

ساری دنیا جانتی ہے  
تیرے ہی گن گاتا ہوں

پوچھ لے بے شک لوگوں سے  
تیرا ہی کہلاتا ہوں

تیری آنکھ میں پوشیدہ  
آنسو ہوں، بہ جاتا ہوں

اب تجدید نہیں ممکن  
خود کو میں سمجھاتا ہوں

غم سے مہلت مانگ کے میں  
وقت کو بھی بہلاتا ہوں

وقت نہیں تھمتا لیکن  
میں ہی رُک رُک جاتا ہوں



کون ہے وہ شہسوارِ اشہبِ علم و ادب  
خوشبوئیں بڑھنے لگی ہیں جس کے استقبال کو



## غزل

طوق دانائی کے اس شخص نے پہنے ہوئے ہیں  
 اور ہم پہلے ہی زنجیر سے سہمے ہوئے ہیں  
 وہ جو فطرت کے اشاروں کو ہوا دے رہا ہے  
 اس نے انجام ستاروں کے بھی دیکھے ہوئے ہیں

مجھ سے پوشیدہ ہیں سب راز ازل کے لیکن  
 سامنے میرے مظاہر بھی تو رکھے ہوئے ہیں

تیرے آئینہ خود سوز سے میں بھی تو جلا  
 میرے آئینے تری آنچ سے پگھلے ہوئے ہیں

تیری نفرت نے جنوں خیزیاں اوڑھے رکھیں  
 تیر یہ تو نے سبھی مجھ ہی پہ تانے ہوئے ہیں

## غزل

کیسا ہے وہ پیکر کہ یقین میں نہ گماں میں  
آتا ہے نظر گا ہے وہ مبہم سے نشاں میں

باہر ہے کوئی اور جو کرتا ہے اشارے  
کیا میں بھی کوئی عکس ہوں آئینہ جاں میں

تبلیغ وہ کرنے نہیں دیتا مجھے غم کی  
رہنے بھی نہیں دیتا وہ خوشیوں کے جہاں میں

پہلے تھی مری بات تیقن کی علامت  
اب جھوٹ نظر آتا ہے کیوں میرے بیاں میں

انکار ترا آگ میں دہکا ہوا دوزخ  
جنت سمٹ آئی ہے تری چھوٹی سی 'ہاں' میں

## غزل

لفظوں کی سلسبیل سے معنی کا جبر توڑ دے  
روئے سخن دماغ سے دل کی طرف بھی موڑ دے

ہر سو دماغ کرنے کے حیلے ہیں بزمِ شوق میں  
تو ہی دلِ نجستہ خو رسمِ طرب کو چھوڑ دے

ٹوٹے تھے جس مقام پر آرزوؤں کے زمزمے  
سلسلہ ہائے جستجو پھر سے وہیں سے جوڑ دے

دل میں رہا تو گائے گا تیری وفا کا گیت یہ  
قطرہٴ خوں بچا ہے اک، دل سے اسے نچوڑ دے

ہم نے جھکا دیا ہے سر تیرے حضورِ عجز سے  
چاہے تو سینے سے لگا، چاہے تو اس کو پھوڑ دے

## تین شعر

روزِ روشن میں بھلا آنکھ کھلے کیا اُن کی  
شب کے ہنگاموں سے فرصت نہیں ملتی جن کو

وہ بھی آجاتے ہیں محفل کی بڑھانے رونق  
گھر سے جانے سے اجازت نہیں ملتی جن کو

اس کی گلیوں میں گزرتے ہیں شب و روز ان کے  
بات کرنے کی بھی فرصت نہیں ملتی جن کو



## غزل

زندگی اس طرح گزاری ہے  
جیسے جوئے میں شرط ہاری ہے

جس طرف جا رہا ہوں میں، اسی سمت  
زلزلے کا سفر بھی جاری ہے

لوگ تو جاں نثار کرتے ہیں  
میں نے اپنی انا بھی واری ہے

چھین لی ہے مری صدا تم نے  
تم ہی کہہ دو، یہ نمگساری ہے؟

کر رہے ہو بسر تمھی اس کو  
کہنے کو زندگی ہماری ہے

یہ نشاطِ ہوس نہیں جاناں  
تم سے ملنے کی بے قراری ہے  
سہہ رہا ہوں جو ایک مدت سے  
تیرے لفظوں کی سنگ باری ہے



## غزل

ٹوٹتا ہے جب کبھی میرا خمارِ اضطراب  
کھینچتا ہوں بے قراری سے شرارِ اضطراب

جو بظاہر پُرسکوں ہیں، لطمہٴ طوفاں ہیں وہ  
پُرسکوں ہوتے ہیں سب سے بے قرارِ اضطراب

وہ جو طالبِ تھے سکوں کے اب خزاں دیدہ ہوئے  
رونقِ گلشن ہیں دیکھو! برگ و بارِ اضطراب

بے خبر ہے منزلوں سے، بے نیازِ سنگِ میل  
کہکشاؤں کا مسافر، شہسوارِ اضطراب

جس کو رہتی ہے ہمیشہ گوہر یکتا کی دُھن  
 طے نہیں کرتا کبھی وہ روبرو اضطراب

بے ثباتی سے چراتی ہے گل و برگِ نشاط  
 گو ارمِ نادیدہ ہے کشتِ بہارِ اضطراب

تُو بھی معتوبِ زمانہِ محبتی! ہو جائے گا  
 تھام کر چلتا ہے اب تُو بھی مہارِ اضطراب





## غزل

میری قسمت حویلیوں جیسی  
چلتے پانی میں گیلیوں جیسی

ذہن میرا ضیائے دن جیسا  
تیری فطرت پہیلیوں جیسی

اب وہ خونی نظر کہ اُف اللہ  
تھی کبھی تو سہیلیوں جیسی

ہو گئی ہے مری خرد کی روش  
انجمن میں اکیلیوں جیسی

غم کی آواز بن گئی ہے مری  
بے صدا کی ہتھیلیوں جیسی

وحشتوں میں وہ ایک صدائے جنوں  
لگ رہی ہے چمیلیوں جیسی

حالتِ قوم، رہنما کے بغیر  
بکھری بکھری سی ریلیوں جیسی



## غزل

تُو نے دیکھا موت کو بھی گلِ فشاں ہوتے ہوئے  
میں نے دیکھی زندگی نقشِ گماں ہوتے ہوئے

اک ستارا بھی نہیں چمکا سرِ مژگاں کبھی  
ہم تہی داماں تھے کتنے آسماں ہوتے ہوئے

سامنے رہ کر بھی تجھ سے فاصلے بڑھتے گئے  
ہم خزاں تھے فصلِ گل کے درمیاں ہوتے ہوئے

ہم نے دیکھا اک تری تر چھی نظر کے خوف سے  
اپنی ساری منزلوں کو بے نشاں ہوتے ہوئے

زندگی بھرا اشکِ خوں سے ہم وضو کرتے رہے  
دیکھ کر غیروں پہ تجھ کو مہرباں ہوتے ہوئے

# بزم خیال

## نقش فریادی

نقش جب بولتے ہیں  
اڑنے کو پر تو لتے ہیں  
تب ہی انساں پہ حقیقت یہ عیاں ہوتی ہے  
نقش تو نقش ہے  
اپنے ہی مصوّر کے ارادوں کا اسیر  
جب مصوّر ہی نہ چاہے  
تو بھلا نقش کہاں تک بولے  
اڑنا چاہے تو فضا کھینچ کے لے آئے اسے  
دائرہ دائرہ محدود مقدر کے حضور  
پھر یہ ادراک ہی کافی ہے

کہ وہ نقشِ گماں  
 اپنے ہونے کا تئیں لے کر  
 اپنی تجرید کے مصدر سے نکل آیا ہے  
 پر سمجھتا ہے کسی شوخ نے حکمت سے بڑی  
 لوح محفوظ پہ تحریر کیے ہیں یہ نقوش  
 اور ہر نقش ہے  
 فریاد کناں



## تلاشِ بہار

خزاں سے خوف نہ کھانا  
 خزاں تو آتی ہے  
 بہار کے بھی سوتے  
 خزاں سے پھوٹتے ہیں  
 یہ سوکھے سوکھے سے پودے  
 یہ ٹنڈ ٹنڈ درخت

کہ جن کو دیکھ کے موسمِ اداس ہو جائے  
 یہ زرد پتوں کا موسمِ سدا نہیں رہتا  
 تغیراتِ زمانہ بدل ہی دیتے ہیں  
 انھی درختوں کی بے رنگ خشک شاخوں سے  
 نئے شگوفے، نئی کوئپلیس نکلتی ہیں

جہاں بدلتے ہیں اس یوستان کے سب منظر

وہیں پہ وادیاں چولے نئے بدلتی ہیں

جنوں سے ڈرنا نہیں

کیونکہ اس جنوں سے ہی

فرازِ عشق کے سب راستے نکلتے ہیں

گھٹا ہو کتنی ہی کالی

پر اس کے پردے سے

نکلتا ہے رُخِ روشن

کہ جس کی کرنوں سے

ہر ایک سمت

بڑی روشنی بکھرتی ہے

تو پھر تلاشِ بہاراں ہی

مدعا ٹھہرے

خزاں میں ٹھہرے ہوئے

اور جنوں سے سہمے ہوئے

مرے چمن کے خزاں دیدہ پھول کلیوں کا





## اُجالا

ایک مدت سے جو طاری تھا خزاں کا موسم  
 وقت نے دیکھ لیا ظلمتِ جاں کا موسم  
 کتنا پیچاک تھا اَسرارِ نہاں کا موسم  
 بے اَماں دَور کو کہتے تھے اَماں کا موسم  
 دھندھی چاروں طرف ظلم کے اندھیاروں کی  
 بات تک سنتا نہ تھا کوئی بھی لاچاروں کی

ایک گل رنگ سویرا جو چرا سے اُترا  
 داہنِ کوہ میں ڈر، دوشِ صبا سے اُترا  
 پردہٴ وقت اگر کوہِ ندا سے اُترا  
 ہم نے دیکھا کہ جنوں روئے صفا سے اُترا  
 دنگ تھی حسنِ جنوں پاش پہ زیبائی بھی  
 دیکھتی رہ گئی منہٴ دشت کی تنہائی بھی

آج جو گلشنِ الفت پہ خزاں چھائی ہے  
 دشتِ الفت کے مکینو! شبِ تنہائی ہے  
 دہشتِ قلب و نظر کس نے یہ پھیلائی ہے  
 بات نکلتے کی بہت، وقت نے سمجھائی ہے  
 ہو جو انصاف کا داعی اسے رہبر کر لو  
 اپنے دامانِ جنوں حُبِ وطن سے بھر لو

آج پھر چاہیے اک اُمتِ واحد ہم کو  
 چاہیے دہر میں انصاف کا شاہد ہم کو  
 اب نہیں چاہیے بس عابد و زاہد ہم کو  
 آج درکار ہے اک مردِ مجاہد ہم کو  
 وہ جو سکھلائے ہمیں درسِ محبت ہر دم  
 وہ کہ جو دُور کرے ذلت و نفرت ہر دم

پھر بڑی روشنی پھیلے گی مرے گلشن میں  
 دب کے رہ جائے گی ظلمت بھی کسی مدفن میں  
 شوخیاں حُسن کی اُتریں گی مرے آنگن میں  
 بجلیاں عشق کی لہرائیں گی خستہ تن میں  
 پرچم انصاف کا ہر چیز سے بالا ہو گا  
 اک یہی شمع جلے گی تو اُجالا ہو گا



## مجھے بس یاد ہے اتنا

مجھے بس یاد ہے اتنا  
 کہ اک تقریب تھی برپا  
 یکا یک اک نظر میری طرف اٹھی  
 اسے میں نے  
 مجھے اس نے  
 بڑے ہی غور سے دیکھا  
 کہ جیسے مدتوں کے بعد  
 پچھڑا دوست ملتا ہے  
 تو حیرانی بھی ہوتی ہے  
 اسے پہچاننے میں کچھ پریشانی بھی ہوتی ہے  
 پھر اس کے بعد  
 ان دیکھی فضاؤں نے مجھے گھیرا  
 میرے پاؤں کے نیچے سے زمیں سرکی  
 فلک نے اپنی چھاؤں اک طرف کر دی

بگولا بن گئی ساکن ہوا  
 بہاروں نے نظر پھیری  
 خزاں سوکھے ہوئے پتے اڑا کر  
 میرے آنگن میں چلی آئی  
 جسے دیکھوں

وہی نظریں چراتا ہے،  
 رلاتا ہے

مگر میں ہوں

کہ پتھر بن کے بھی شاید

اسی کے گیت گاتا ہوں

وہ بالکل اجنبی تھی

پھر بھی دل نے یہ کہا مجھ سے

وہ تیری ہے فقط تیری

مگر

اُسے چھونا نہیں

جل جاؤ گے ورنہ

اُسے مت دیکھنا کیونکہ

اُسے جو دیکھ لیتا ہے

تہی آنکھوں سے ہوتا ہے

اُسے مت سوچنا کیونکہ

اُسے جو سوچ لے دل میں

وہ دل سے جاتا رہتا ہے

وہ جاں اپنی جلاتا ہے

تو پھر میں نے کہا دل سے

یہی تو چاہتا ہوں میں

اُسے چھو کر میں جل جاؤں

اُسے پا کر پگھل جاؤں

اُسے دیکھوں

تو پھر کچھ اور میں دیکھوں نہ آنکھوں سے

اُسے سوچوں

تو بس پھر سوچتا جاؤں اسی کو میں

اُسے پانے سے پہلے بھی

یہی تو چاہتا تھا میں

اُسے کھونے کے بعد اب بھی

یہی تو چاہتا ہوں میں



## سچائی

محبت آگہی بن کر  
مری رگ رگ میں اتری ہے

محبت -----

پھول سے خوشبو چراتی ہے

کبھی -----

تتلی سے رنگوں کو اڑاتی ہے

کبھی -----

کلیوں سے مسکانیں

کبھی راگوں سے لیتی ہے

مدھرتا نہیں

کبھی -----

پانی کے بہنے کی

حلاوت سے بھری

آواز بنتی ہے

کبھی ----

غنجے چننے کی صدا بن کر

ہوا میں پھیل جاتی ہے

کبھی وہ ----

کہکشاں سے آنے والی روشنی بن کر

پتا دیتی ہے منزل کا

کبھی ----

وہ بن کے اک غول بیابانی

ڈراتی ہے صداؤں سے

جفاؤں سے

جنوں خیزی کی شوریدہ گھٹاؤں سے

مگر ڈرتے نہیں

سچی لگن کے راہروان سے

انہیں تو صرف چلنا ہے

اسی تابندہ رستے پر

کہ گردِ راہ ہیں جس کی



وہ ساری کہکشا میں  
 اور بگولے بھی سدیموں کے  
 کہ جن سے  
 حکم گن سے  
 بنتے رہتے ہیں  
 نئے سورج  
 نئے تارے  
 مجھے بھی صرف چلنا ہے  
 اسی تابندہ رستے پر



## فانوس

تمہیں ملنے سے پہلے بھی  
مجھے تم سے محبت تھی  
اگرچہ یہ یقیں دلوانا مشکل ہے  
مگر پھر بھی

مرے وجدان کی سرگوشیاں  
اس بات کی تصدیق کرتی ہیں  
خوشی پہلے بھی ملتی تھی  
خوشی تو اب بھی ملتی ہے  
مگر خوشیاں جو پہلے تھیں  
مجھے وہ سہنی پڑتی تھیں

اور اب کے

وہ محبت کی تپش

جو دل میں بستی ہے

خوشی اس کے مقابل میں

کوئی وقعت نہیں رکھتی



## وقت

گزر چکی ہیں  
 جو لاکھوں صدیاں  
 وہ ایک پل تھا  
 جو آنے والا ہے  
 ایک لمحہ  
 وہ اک صدی ہے



## دائرہ

یہ زمیں دائرہ

آسماں دائرہ

چاند تارے بھی اور ستارگان

اور اوجِ ثریا کی پہنائیاں

سورج اور کہکشاں

ذرہ جوہری

اور مری زندگی

سب کے سب

ایک محدود سے دائرے میں رواں

اک خطِ مستقیم  
 اس طرح کھینچ دو  
 اک سیراجس کا مشرق کی جانب چلے  
 دوسرے کا ہو مغرب کی جانب سفر  
 پھر یہ دونوں سرے  
 کا سناتی تسلط کے زیر اثر  
 گھوم کر ایک دوجے سے مل جائیں گے  
 اور بن جائے گا  
 اک انوکھا  
 نرالا  
 مگر  
 بے کراں دائرہ



## لکیر

سنو!

اس لکیر سے آگے

اس لکیر سے پیچھے

تم کو جو دکھائی دے

مت کسی کو بتلانا!

مت کسی کو سمجھانا!

ورنہ دیکھنے والے

آرزو کے رکھوالے

چھین لیں گے تم سے بھی

جستجو کے سب سنے  
 خواب کے درپچوں سے  
 خواب ہی تو ہیں اپنے  
 اس لیے ضروری ہے  
 تم کو جو دکھائی دے  
 مت کسی کو بتلانا  
 تم کو جو سمجھائی دے  
 مت کسی کو سمجھانا



## پنجاب کالج، گجرات کیمپس

کروں نامِ خدا سے میں اگر اظہارِ بسمِ اللہ  
 بڑھے گی اور اس سے پیار کی مہکار بسمِ اللہ  
 ترے گلشن میں ہو ہر دم یہی چہکار بسمِ اللہ  
 لکھے جو بھی اسے، لکھے فقط گلزار بسمِ اللہ

یہ میری آنکھ کا تارا، مرا پنجاب کالج ہے  
 بڑا سوہنا، بڑا پیارا، مرا پنجاب کالج ہے





شجر ہے علم کا، ہم اس کے سایے میں پنتے ہیں  
یہاں رہتے ہوئے ہم پھولتے ہیں اور پھلتے ہیں  
تعتین کردہ راہوں پر جو ہم دن رات چلتے ہیں  
اسی کا فیض ہے سارا کہ منزل تک پہنچتے ہیں  
محبت کا یہ گہوارا، مرا پنجاب کالج ہے  
بڑا سوہنا، بڑا پیارا، مرا پنجاب کالج ہے



بڑے باظرف بھی اور مہرباں بھی رانا یونس ہیں  
کرے جو کام، اُس کے قدرداں بھی رانا یونس ہیں  
پرنسپل ہیں تو پھر پاسباں بھی رانا یونس ہیں  
زمین آگہی کے آسماں بھی رانا یونس ہیں  
اس آگاہی کا مینارا، مرا پنجاب کالج ہے  
بڑا سوہنا، بڑا پیارا، مرا پنجاب کالج ہے



وہ اُستادانِ فن، پیشہ ہے جن کا علم پھیلا نا  
 محبت سے جھڑکنا اور پھر شفقت سے سمجھانا  
 بُرائی سے بچانا اور نیکی کا سبق دینا  
 پکڑ کر ہاتھ پھر اوجِ ثریا تک بھی لے جانا

انھی کے شوق کا دھارا، مرا پنجاب کالج ہے  
 بڑا سوہنا، بڑا پیارا، مرا پنجاب کالج ہے



اسے محفوظ مولا ظلمتِ شب سے سدا رکھے  
 رہے یہ منفرد سب سے، اسے سب سے جدا رکھے  
 چراغِ علم سے روشن، محبت کی صدا رکھے  
 دُعا ہے بس یہی قائم اسے میرا خدا رکھے

زباں پر ہے یہی نعرہ، مرا پنجاب کالج ہے  
 بڑا سوہنا، بڑا پیارا، مرا پنجاب کالج ہے



## اے ارضِ وطن

تسخیر نئے کوہ و دمن کرتے رہیں گے  
یہ کام اگرچہ ہو تھکن کرتے رہیں گے

ہر پھول معطر ہو تو ہر شاخ ثمر دار  
اس شان سے تعمیر چمن کرتے رہیں گے

اسلاف سے سیکھیں گے چلن راہِ وفا کا  
قربان تری رہ میں بدن کرتے رہیں گے

اے ارضِ وطن! تیرے لیے دکھ بھی سہیں گے  
تکرار وہی دار و رسن کرتے رہیں گے

پھر امن و صداقت کا علم ہاتھ میں لے کر  
تجدیدِ وفا اہلِ وطن کرتے رہیں گے

جس کام سے دنیا میں ترا نام ہو روشن  
وہ کام بصد شوق و لگن کرتے رہیں گے



## خود انحصاری

باتیں چھوڑیں، کام کی سونپیں آؤ غور کریں  
 کام میں اپنے دل کو لگائیں آؤ غور کریں  
 خودداری کا چولا پہنیں آؤ غور کریں  
 اپنی دنیا آپ بنائیں، آؤ غور کریں

کون کسی کا ہے دنیا میں جھوٹے سارے دھندے  
 چاروں سمت لگے ہیں اب تو جھوٹ فریب کے پھندے  
 کس کی مانیں کس کو چھوڑیں، آؤ غور کریں  
 اپنی دنیا آپ بنائیں، آؤ غور کریں

رستے میں دیوار بھی ہوگی، در بھی، دروازہ بھی  
 بکھرا ہوا ہر سمت میں ہوگا شہر کا شیرازہ بھی  
 اپنے قدم ہم آپ اٹھائیں، آؤ غور کریں  
 اپنی دنیا آپ بنائیں، آؤ غور کریں

ہم سب مل کر دکھ سہہ لیں گے اپنی بات کریں گے  
 محنت کرتے کرتے ہم بھی دن سے رات کریں گے  
 اپنی روٹی آپ کمائیں، آؤ غور کریں  
 اپنی دنیا آپ بنائیں، آؤ غور کریں

رسمیں توڑیں، رشتے جوڑیں، زنجیروں کو کاٹیں  
 جو دریا حائل ہیں اپنی راہ میں ان کو پاٹیں  
 اپنے لہو سے دیپ جلائیں، آؤ غور کریں  
 اپنی دنیا آپ بنائیں، آؤ غور کریں



## باغ و بہارِ علم

(جناب پروفیسر شریف کنجاہی صاحب کے لیے تحسینِ علمی)

وہ ہے اک طرفہ گنینہ گنج بارِ علم کا  
نور دیکھا اس کے چہرے پر بہارِ علم کا

اس کی سیاحت سے بچ پائی نہ کوئی سر زمیں  
طے کیا اس نے سفر ہر رُو بہارِ علم کا

پوچھ کر اس سے نمو پاتا ہے میرے شہر میں  
پتا پتا بوٹا بوٹا کاروبارِ علم کا

اس کے سایے میں پناہ لیتے ہیں رہو علم کے  
وہ جو قد آور شجر ہے سبزہ زارِ علم کا

لوگ جتنا جانتے ہیں وہ تو ہے بس اک جھلک  
کام بڑھ کر ہے کہیں اس شاہکارِ علم کا

مانتے ہیں اہل دانش بھی اسے سالارِ علم  
وہ حقیقت میں محافظ ہے مہارِ علم کا

اک نئی تخلیق لے آتا سرِ بزمِ ادب  
ٹوٹتا جب بھی نشہ اس کے خمائرِ علم کا

اس کے 'جگراتے' نے دی ہے جہل کو غفلت کی نیند  
یہ ہے اک تحفہ ہمیں اُس بے قرارِ علم کا

نام بھی اس کا شریف اور ذات بھی اس کی شریف  
تھا لبادہ روشنی اس تنِ فگارِ علم کا

اس کی صحبت فیض یابی کی بہارِ بے کراں  
پاسباں تھا وہ یہاں گنجِ شعائرِ علم کا

اس کے سینے میں نہاں اس کے قلم سے آشکار  
ایک ٹھانھیں مارتا۔ وجہ کنارِ علم کا

کھینچ لیتا علم کے پیاسوں کو وہ اپنی طرف  
غُلغلہ اک نزم سا اُس آبتارِ علم کا

جب سے رُوٹھا ہے خزاں منظر ہے دھرتی کی فضا  
رو رہا ہے ایک اک ذرہ نگارِ علم کا

مجتبیٰ! اُس کی حدیں مشرق سے مغرب تک دراز  
دبدبہ ہے چار سو اُس شہسوارِ علم کا





## تفاخر محمود گوندل

نقش دوری کا مٹا قربتِ غمخوار ملی  
 اک خنک سایہ ملا وسعتِ چھتکار ملی  
 یوں ترے دم سے مجھے نکلت گلزار ملی  
 تو ملا جب سے تو قسمت بھی طرف دار ملی  
 زیرِ احساں ہوں میں پندارِ تفاخر محمود!  
 آج سے میں بھی ہوں غمخوارِ تفاخر محمود

تیری اقلیمِ وفا کیش کے اطوار نئے  
 تیرے مے خانہ گل رنگ کے مے خوار نئے  
 ہیں نئے جام و سبو، ان کے خریدار نئے  
 غم کے پہلو بھی نئے، درد کے انبار نئے  
 لب کشائی نے فضاؤں میں نئے گیت لکھے  
 لوحِ قسمت پہ مقدر نے نئے میت لکھے

شعر جھڑتے ہیں ترے لب سے گلابوں کی طرح  
 نشہ دیتے ہیں ترے لفظ شرابوں کی طرح  
 جھوٹ ہے تیرے لیے صرف سرابوں کی طرح  
 پھٹ کے ہوتا ہے پریشان حسابوں کی طرح  
 لفظ شعروں میں ڈھلے پیار کی شبنم بن کر  
 آرزو پھیل گئی ”گیسوئے برہم“ بن کر



## پروفیسر وسیم بیگ مرزا

وہ جن کی بات میں شفقت نگہ میں لطفِ خیال  
 وہ جن کا دستِ محبت کرے دلوں کو نہال  
 زباں پہ حوصلہ افزائیوں کا سیلِ رواں  
 کہ وسعتوں میں سمندر ہے ان کا ظرفِ کمال



## نعتِ رسول ﷺ

مقدّر کھڑ پوے سب دوا، ضرور ایناں انوکھا اے  
تہاڈے نال دوا صدقہ ای حضور! ایناں انوکھا اے

دُر و دِپاک پڑھ پڑھ کے میں اکثر مست ہو جاناں  
اوہناں دے نال نسبت داسرُور ایناں انوکھا اے

ایہہ تارے کھول کے اکھاں اوہنوں دن رات تکدے نیں  
بشر دے روپ وچہ آیا اوہ نور ایناں انوکھا اے

پئی و سدی اے رحمت رب دی منشی علم دین اُبتے  
سعادت بن گیا، اوہدا قصور ایناں انوکھا اے

ڈگے نیں کنگرے سب قیصر و کسری دے محلاں دے  
مرے سرکار دا جگ تے ظہور ایناں انوکھا اے

میں اوہناں نال بن لفظاں دے گلاں مجتبیٰ! کرنا  
مرے ایقان دا ایہہ کوہ طور ایناں انوکھا اے



## غزل

چھڈ کے پیار دا چک نہیں جانا  
عشق کریں تے تھک نہیں جانا

بھانویں ساڈی جان وی ٹر گئی  
تیرے دل چوں شک نہیں جانا

ساڈے دل نوں چین نہیں ملنا  
جد تک تینوں تک نہیں جانا

تیرا پچھا نیوں چھڈنا  
جتا چر توں اک نہیں جانا

جتنے عزت لپھی جاں گے

کر کے نیواں نک نہیں جانا

موت نہیں آونی ساہنوں جد تک

زہر غماں دا پھک نہیں جانا

پہلی - واری - ڈر چاویں تے

دل توں فیر تہک نہیں جانا



## غزل

عشق چہ ایہہ وی کرنا پیندا  
 جت کے بازی ہرنا پیندا  
 جین لئی اس دنیا دے وچ  
 موت توں پہلاں مرنا پیندا  
 بھانویں رو لوہ، بھانویں ہس لوہ  
 غم ہر صورت جرنا پیندا  
 ایہو ریت ازل توں یارو  
 جو کرنا سو بھرنا پیندا

ندیوں پار بجے ہووے سجن  
کچے گھڑے تے ترنا پیندا

اوپدے نال محبت پا کے  
سر نیزے تے دھرنا پیندا

جیہڑا کم کچھا ہووے  
اوهلے ارہ نئے کرنا پیندا

ہتھ نوں اُٹے رکھن پاروں  
ہورے کیہ گجھ کرنا پیندا





## غزل

وقت نوں بیٹھا بھور دا ہووے  
 ہر اک رستہ گور دا ہووے  
 اک دن شوہ دا آ جاندا اے  
 سو دن بھاویں چور دا ہووے  
 رب دے در چوں رڈیا جاندا  
 جد کوئی بندہ، ہور دا ہووے  
 فطرت دا شہکار سداندا  
 پَر اوہ بھاویں مور دا ہووے

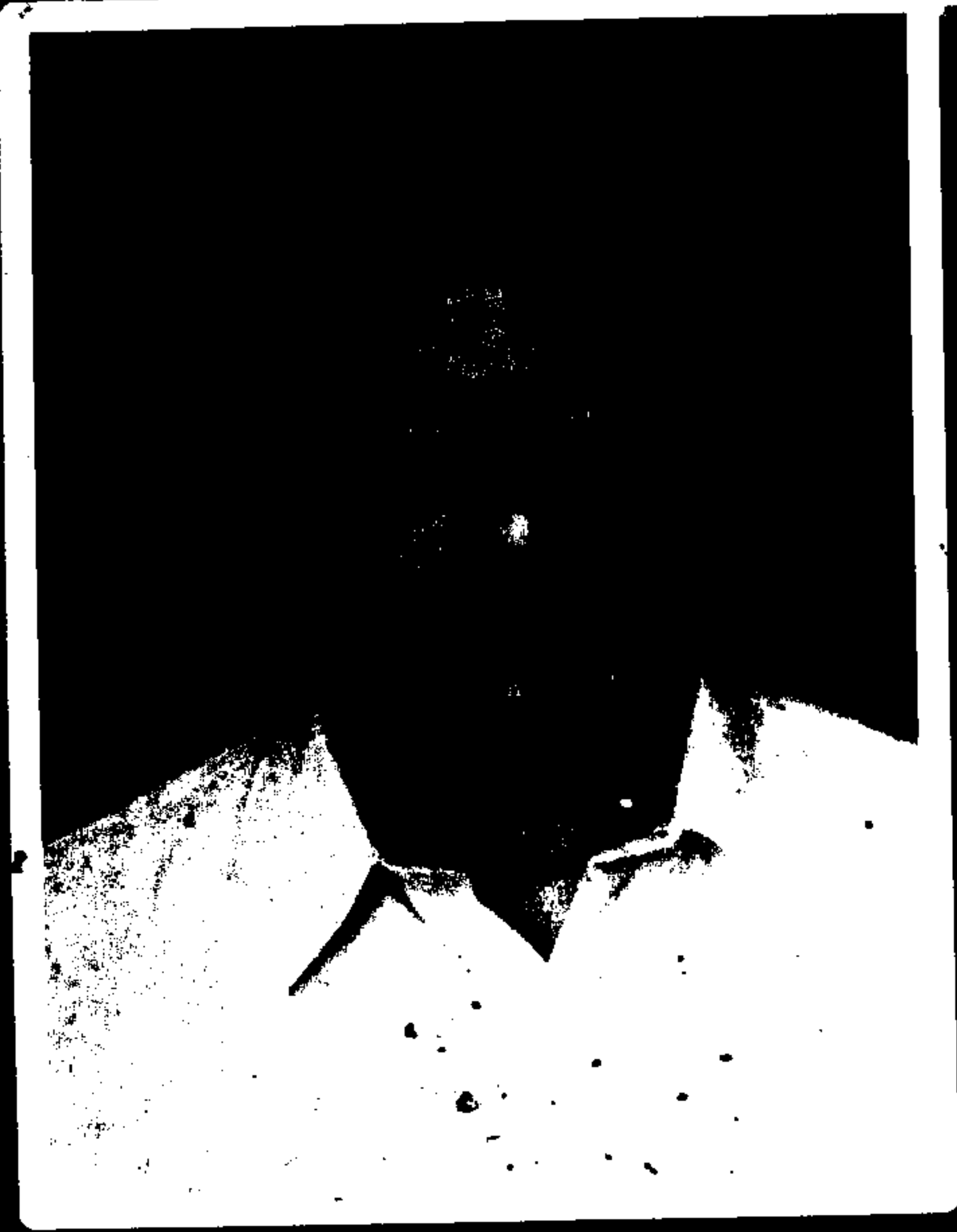
فیر تے گنتیں کجھ نہیں پیندا  
سناٹا تے شور دا ہووے

اوه گڈی نہیں لٹی جاندی  
آسرا جس نوں ڈور دا ہووے

نظارا نہیں جھلیا جاندا  
تے کر تیری ٹور دا ہووے







فکر غالب اور جدید سائنس

(زیر طبع)

ایک سائنس دان اور سائنس دانوں کی مطالعہ

تحقیق و تخلیق: پروفیسر سید غلام مجتبیٰ شعبہ اردو، پنجاب کالج، گجرات